سورۃ الفتح

آیاتہا ۲۹ ۴۸ سورۃ الفتح مدنیۃ ۱۱۱ رکوعاتہا ۴

سب کا اتفاق ہے کہ یہ مدنی ہے اس کی انتیس آیات ہیں، یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان حدیبیہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ محمد بن اسحاق نے زہری سے وہ عروہ سے وہ مسعود بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے روایت نقل کرتے ہیں دونوں نے کہا: سورۂ فتح مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان حدیبیہ کے متعلق ابتدا سے آخر تک نازل ہوئی۔ صحیحین میں زید بن اسلم سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں (1) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک سفر میں چل رہے تھے جبکہ حضرت عمر بن خطاب ان کے ساتھ رات کے وقت ساتھ ساتھ چل رہے تھے، حضرت عمر بن خطاب نے آپ سے کوئی سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کوئی جواب نہ دیا، حضرت عمر نے پھر عرض کی تو آپ نے کوئی جواب نہ دیا، انہوں نے عرض کی تو آپ نے کوئی جواب نہ دیا حضرت عمر نے کہا: عمر کی ماں روئے تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین بار سوال کرنے میں مبالغہ سے کام لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے جواب نہ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اپنے اونٹ کو حرکت دی پھر میں سب لوگوں سے آگے نکل گیا اور مجھے ڈر ہونے لگا کہ میرے بارے میں قرآن نازل ہوگا میں تھوڑا وقت بھی نہیں ٹھہرا تھا کہ میں نے ایک آواز دینے والے کو آواز دیتے ہوئے سنا، میں نے کہا: مجھے ڈر تھا کہ میرے بارے میں قرآن نازل ہوگا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آج مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے جو مجھ پر ہر چیز سے محبوب ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے پھر اس آیت کی تلاوت کی اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

صحیح مسلم میں قتادہ سے مروی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے انہیں بیان کیا: جب یہ آیات نازل ہوئیں اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْۤا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ يُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس لوٹ رہے تھے صحابہ کرام بڑے غمگین تھے جبکہ آپ نے حدیبیہ کے مقام پر قربانی کے جانوروں کو ذبح کیا تھا فرمایا: ''ابھی مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھ پر تمام دنیا سے بڑھ کر زیادہ محبوب ہے'' (2)۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، سورۂ فتح، جلد 2، صفحہ 749

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، صلح حدیبیہ، جلد 2، صفحہ 106

عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہودیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کو برا بھلا کہا جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: وَ مَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَ لَا بِكُمْ (الاحقاف: 9) انہوں نے کہا: ہم ایک ایسے آدمی کی کس طرح پیروی کریں جو یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے؟ یہ امر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بڑا شاق گذرا تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۙ لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ۔ مقاتل بن سلیمان نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے وَ مَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَ لَا بِكُمْ (الاحقاف: 9) نازل کی تو مشرک اور منافق خوش ہوئے اور کہا: ہم ایسے آدمی کی کیسے اتباع کریں جو یہ نہیں جانتا کہ اس کے ساتھ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے؟ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب آپ حدیبیہ سے واپس آرہے تھے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۝ یعنی ہم نے آپ کے بارے میں فیصلہ کر دیا ہے۔ اس آیت نے اس آیت کو منسوخ کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جس کے بدلے میں سرخ اونٹ مجھے خوش نہیں کرتے'' مسعودی نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے جس نے رمضان شریف کی پہلی رات میں نفلی نماز میں سورۂ فتح پڑھی اللہ تعالیٰ اس کو محفوظ رکھے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۝

''یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی''۔

اس فتح کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد کیا ہے؟ بخاری شریف میں ہے محمد بن بشار، غندر سے، وہ شعبہ سے وہ قتادہ سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے (1)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم فتح سے مراد یوم حدیبیہ ہی شمار کیا کرتے تھے۔ فراء نے کہا: فتح سے مراد فتح مکہ لیا کرتے تھے (2) جبکہ فتح مکہ تو فتح ہے اور ہم فتح سے مراد بیعت رضوان لیتے جو حدیبیہ کے موقع پر ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہماری تعداد چودہ سو تھی اور حدیبیہ ایک کنواں ہے۔ ضحاک نے کہا: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۝ یہ قتال کے بغیر فتح ہوئی، صلح بھی فتح کی صورت ہے (3)۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد حدیبیہ کے مقام پر جانور قربان کرنا اور اپنے سر کا حلق کرانا تھا (4) حدیبیہ کی فتح عظیم نشانی تھی اس کا پانی نکالا گیا تو آپ نے اس میں کلی کی تو اس میں پانی زیادہ ہو گیا یہاں تک کہ جو افراد بھی آپ کے ساتھ تھے سب نے اس پانی کو پیا۔ موسیٰ بن عقبہ نے کہا: جب صحابہ حدیبیہ سے واپس آگئے (5) تو ایک آدمی نے کہا: یہ فتح نہیں، انہوں نے ہمیں بیت اللہ شریف کی زیارت سے روک دیا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بلکہ یہ سب سے بڑی فتح ہے مشرک اس بات پر

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، انا فتحنا لک فتحاً مبیناً، جلد 2، صفحہ 716
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 310
3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 166
4۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 258
5۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 332

راضی ہو گئے ہیں کہ وہ تمہیں اپنے شہروں سے نرمی سے جانے دیں، تم سے فیصلہ کا سوال کریں، امان میں تم سے رغبت کریں جبکہ انہوں نے تم سے وہ کچھ دیکھ لیا ہے جس کو وہ ناپسند کریں''(1)۔

امام شعبی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ کے بارے میں فرمایا: اس سے مراد فتح حدیبیہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ذریعے وہ کچھ حاصل کیا جو آپ نے کسی غزوہ میں حاصل نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی خطاؤں کو معاف کر دیا، آپ کے ہاتھ پر بیعت رضوان ہوئی، صحابہ کو خیبر کی کھجوریں کھلائی گئیں، ہدی اپنے مقام کو پہنچی، رومی ایرانیوں پر غالب آئے، مومن اہل کتاب کے مجوسیوں پر غالب آنے سے خوش ہوئے۔

زہری نے کہا: حدیبیہ عظیم فتح تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو صحابہ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف آئے تھے جب صلح ہو گئی تو لوگ ایک دوسرے سے ملے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق جانا اور اس کے کلام کو سنا جس نے بھی اسلام کا ارادہ کیا اس کو قبول کرنے کی اس میں آسانی پائی دو سال بھی نہ گذرے تھے مگر مسلمان دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ مکرمہ آئے۔

مجاہد نے یہ بھی کہا اور عوفی کا یہ قول ہے: اس سے مراد فتح خیبر ہے؛ پہلا قول اکثر کا قول ہے جبکہ خیبر ایک وعدہ تھا جو ان سے کیا گیا جس کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ۔ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ۔ حضرت مجمع بن جاریہ جو ان قراء میں سے ایک ہیں جنہوں نے قرآن پڑھا کہا: ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں حاضر تھے جب ہم اس سے واپس آئے تو لوگ جو اونٹوں کو تیز چلا رہے تھے(2) بعض لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے بتایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر وحی کی ہے کہا: ہم تیزی سے نکلے تو ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کراع غمیم میں پایا جب لوگ جمع ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کو پڑھا: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ فتح ہے؟ فرمایا: ''ہاں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! وہ فتح ہے'' خیبر کے اموال صلح حدیبیہ میں شریک لوگوں میں تقسیم کئے گئے ان میں وہی فرد شامل تھا جو حدیبیہ میں موجود تھا(3)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان فَتْحًا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مکہ مکرمہ زبردستی فتح کیا گیا کیونکہ فتح کا لفظ نہیں بولا جاتا مگر جسے سختی کے ساتھ فتح کیا گیا ہو یہ اس اسم کی حقیقت ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: فتح البلد صلحا صلح کا معنی سمجھ نہیں آتا مگر جب وہ فتح کے ساتھ ملا ہوا ہو پس فتح صلح میں مجازی معنی میں ہوگا۔ روایات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ زبردستی فتح ہوا۔ اس بارے میں گفتگو پہلے گذر چکی ہے۔

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ۙ وَّ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝۳

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 166　2۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 3، صفحہ 420

3۔ ابوداؤد، باب فی من اسهم سهما، حدیث 2359، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

”تاکہ دور فرمادے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے اور مکمل فرمادے اپنے انعام کو آپ پر اور چلائے آپ کو سیدھی راہ پر اور تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی ایسی مدد فرمادے جو زبردست ہے“۔

ابن انباری نے کہا: فَتْحًا مُّبِيْنًا پر کلام مکمل نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ یہ فتح سے متعلق ہے گویا فرمایا: ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے فتح کے ساتھ مغفرت کو جمع کردے اور اللہ تعالیٰ آپ کے لیے وہ چیز جمع کردے جس سے دنیا و آخرت میں آپ کی آنکھ ٹھنڈی ہو۔ ابو حاتم سجستانی نے کہا: یہ لام قسم ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ لام مکسور نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے ساتھ نصب دی جاتی ہے اگر یہ جائز ہے تو یہ بھی جائز ہوتا لیقوم زید اس کی تاویل لیقومن زید ہے۔

زمخشری نے کہا: اگر تو یہ سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کو مغفرت کی علت کیسے بنایا ہے؟ میں کہوں گا: اللہ تعالیٰ نے اسے مغفرت کی علت نہیں بنایا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں چار امور کو جمع کیا گیا ہے وہ مغفرت، اتمام نعمت، صراط مستقیم کی ہدایت اور غالب مدد۔ گویا فرمایا: ہم نے تیرے لیے فتح مکہ کو آسان بنادیا تیرے دشمن کے خلاف تیری مدد کی تاکہ آپ کے لیے دونوں جہانوں کی عزتوں اور دنیا و آخرت کے غلبہ کو جمع کردے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مراد فتح مکہ ہو اس حیثیت سے کہ یہ دشمن کے ساتھ جہاد ہے، مغفرت اور ثواب کا سبب ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت انس سے مروی ہے کہ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس آرہے تھے (1) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مجھ پر ایک ایسی آیت نازل کی گئی ہے جو روئے زمین پر جو بھی چیز ہے اس سے یہ مجھے زیادہ محبوب ہے“ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اس آیت کو پڑھا۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو بیان کردیا ہے جو آپ کے ساتھ معاملہ کرنے والا ہے وہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی: لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ يُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، اس بارے میں حضرت مجمع بن جاریہ سے بھی ایک روایت مروی ہے۔

علماء نے لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ سے مراد ہے کہ اعلان نبوت سے قبل جو آپ سے ایسے اعمال ہوئے جن کو آپ اپنی شان کے خلاف خیال کرتے ہیں اور وَ مَا تَاَخَّرَ سے مراد جو اعلان نبوت کے بعد جو اعمال ہوئے؛ یہ مجاہد کا قول ہے، اسی کی مثل طبری اور سفیان ثوری نے کہا۔ طبری نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۝ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ (نصر) کی طرف راجع ہے یعنی اعلان نبوت سے پہلے اور

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ فتح، جلد 2، صفحہ 159

اعلان نبوت کے بعد اس آیت کے نزول تک۔

سفیان ثوری نے کہا: لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ سے مراد وہ تمام اعمال ہیں جو وحی کے نزول سے پہلے آپ نے دور جاہلیت میں کیے اور وَ مَا تَاَخَّرَ سے مراد وہ تمام اعمال ہیں جو بعد آپ نے نہ کیے، یہ واحدی کا قول ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گذر چکی ہے کہ انبیاء سے گناہ صغیرہ صادر ہو سکتے ہیں؛ یہ ایک قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا تَقَدَّمَ سے مراد فتح سے پہلے اور وَ مَا تَاَخَّرَ سے مراد فتح کے بعد کے اعمال ہیں۔ ایک قول یہ کہا گیا ہے: مَا تَقَدَّمَ سے مراد اس آیت کے نزول سے پہلے اور وَ مَا تَاَخَّرَ سے مراد جو اس کے بعد ہیں۔

عطا خراسانی نے کہا: مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء کی خطا ہے اور وَ مَا تَاَخَّرَ سے مراد آپ کی امت کے گناہ ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلاف اولی اعمال اور وَ مَا تَاَخَّرَ سے مراد انبیاء کے خلاف اولی اعمال ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا تَقَدَّمَ سے مراد غزوہ بدر کے دن کی خطا اور وَ مَا تَاَخَّرَ سے مراد غزوہ حنین کے موقع کی خطا ہے۔ غزوہ بدر کے موقع پر جو خطا ہوئی وہ یہ تھی کہ آپ نے یہ دعا کی: اے اللہ اگر تو نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا (2) تو زمین میں کبھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی (3) آپ نے اس قول کو کئی دفعہ دہرایا اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی آپ کو کیسے علم ہوا کہ اگر میں نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو میری کبھی بھی عبادت نہیں کی جائے گی؟ تو یہ وہ پہلی خطا تھی۔ جہاں تک دوسری خطا کا تعلق ہے تو وہ غزوہ حنین کا موقع ہے جب لوگ شکست کھا گئے تو آپ نے اپنے چچا حضرت عباس اور چچا زاد بھائی ابو سفیان سے کہا: مجھے وادی سے سنگریزوں کی ایک مٹھی اٹھا کر دو تو دونوں نے سنگریزے اٹھا کر دیئے آپ نے انہیں ہاتھ میں لیا اور مشرکوں کے منہ پر مارا اور فرمایا: شاھت الوجوہ۔ حم۔ لا ینصرون۔ تو مشرک سارے کے سارے شکست کھا گئے کوئی آدمی نہ بچا مگر اس کی آنکھیں ریت اور سنگریزوں سے بھر گئیں پھر آپ نے اپنے ساتھیوں کو ندا کی تو وہ پلٹ آئے جب وہ واپس لوٹے تو آپ نے انہیں فرمایا: ''اگر میں انہیں وہ مٹھی بھر سنگریزے نہ مارتا تو وہ شکست نہ کھاتے'' تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال: 17) یہ دوسری خطا تھی۔ ابو علی روز باری نے کہا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اگر آپ کی کوئی پرانی یا نئی خطا ہوگی تو ہم آپ کے لیے اسے بخش دیں گے۔

وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نعمت سے مراد جنت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد نبوت و حکمت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد مکہ مکرمہ، طائف اور خیبر کی فتح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے تکبر کیا تھا اس نے خشوع و خضوع اپنا لیا اور جو جابر بنا ہوا تھا اس نے طاقت اختیار کر لی وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۝ یعنی آپ کو

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 167	2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 126

3۔ صوفیاء نے اس کی کیا ہی خوبصورت تعبیر کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی زندگی تو مقام نیاز کے حوالے سے گذری تاہم یہ مرحلہ اور اس جیسے دوسرے مقامات مقام ناز سے تعلق رکھتے ہیں، لوٹنے کی جا ہے۔ مترجم۔

ہدایت پر ثابت قدم کرے گا یہاں تک کہ آپ کو اپنے پاس بلا لے گا۔

وَّ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا۝ یعنی ایسی مدد کرے گا جو غالب ہوگی جس کے بعد کوئی ذلت و عاجزی نہ ہوگی۔

هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْۤا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۝ۙ

''وہی ہے جس نے اتارا اطمینان کو اہل ایمان کے دلوں میں تاکہ وہ اور بڑھ جائیں (قوت) ایمان میں اپنے پہلے ایمان کے ساتھ، اور الله کے زیر فرمان ہیں سارے لشکر آسمانوں اور زمین کے اور الله تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور بہت دانا ہے''۔

السَّكِيْنَةَ سے مراد سکون و طمانینت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی سکینہ کا لفظ ہے اس سے مراد طمانینت ہے مگر جو سورۂ بقرہ میں ہے، ایمان کی زیادتی کا معنی سورۂ آل عمران میں گذر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت کے ساتھ مبعوث کیا گیا(1) جب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بارے میں تصدیق کی تو الله تعالیٰ نے ان پر نماز کو زائد کر دیا جب انہوں نے اس حکم میں آپ کی تصدیق کی تو الله تعالیٰ نے ان پر زکوۃ کو زائد کیا، جب انہوں نے اس امر میں آپ کی تصدیق کی تو الله تعالیٰ نے ان پر روزوں کو زائد کر دیا، جب انہوں نے اس مسئلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تو الله تعالیٰ نے ان پر حج کا اضافہ کر دیا پھر الله تعالیٰ نے ان کے دین کو مکمل کیا الله تعالیٰ کا فرمان: لِيَزْدَادُوْۤا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ کا یہی مصداق ہے یعنی ایمان سے مراد خشیت ہے۔ ضحاک نے کہا: یہاں اس سے مراد یقین ہے(2)۔

وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جنود سے مراد ملائکہ، جن، شیاطین اور انسان ہیں۔ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا یعنی الله تعالیٰ اپنی مخلوق کے احوال سے باخبر ہے حَكِيْمًا جس کا ارادہ کرتا ہے اس میں حکیم ہے۔

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ يُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا۝ۙ

''تاکہ داخل کر دے ایمان والوں اور ایمان والیوں کو باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور دور فرما دے ان سے ان کی برائیوں کو اور یہ الله تعالیٰ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے''۔

الله تعالیٰ نے سکینہ کو نازل فرمایا تاکہ ان کے ایمان میں اضافہ ہو پھر یہ زیادتی انہیں جنت میں داخل کرنے کے سبب سے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لِّيُدْخِلَ میں لام اسی کے متعلق ہے جس کے متعلق لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ کا لام ہے۔

وَ كَانَ ذٰلِكَ اسم اشارہ سے مراد مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا وعدہ اور گناہوں کی بخشش ہے عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا۝ یہ غم

1۔ طبری، جز 26، صفحہ 84 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 167

سے نجات اور ہر مطلب میں کامیابی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ پر اس آیت کو پڑھا لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ آپ کو مبارک ہوتو ہمارے لیے کیا ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی: لِّیُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ جب یہ حصہ پڑھا وَ یُتِمَّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکَ انہوں نے عرض کی: آپ کو مبارک ہوتو یہ آیت نازل ہوئی: وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ (المائدہ: 3) جب پڑھا: وَ یَہۡدِیَکَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ۙ﴿۲﴾ تو امت کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی: وَ یَہۡدِیَکَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا جب پڑھا: وَّ یَنۡصُرَکَ اللّٰہُ نَصۡرًا عَزِیۡزًا ﴿۳﴾ تو یہ آیت وَ کَانَ حَقًّا عَلَیۡنَا نَصۡرُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۴۷﴾ (الروم) نازل ہوئی وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَ سَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ﴿۵۶﴾ (الاحزاب) پھر فرمایا: ہُوَ الَّذِیۡ یُصَلِّیۡ عَلَیۡکُمۡ (الاحزاب: 43) قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔

وَّ یُعَذِّبَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَ الۡمُنٰفِقٰتِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ وَ الۡمُشۡرِکٰتِ الظَّآنِّیۡنَ بِاللّٰہِ ظَنَّ السَّوۡءِ ؕ عَلَیۡہِمۡ دَآئِرَۃُ السَّوۡءِ ۚ وَ غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ وَ لَعَنَہُمۡ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ جَہَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا ﴿۶﴾ وَ لِلّٰہِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا ﴿۷﴾

''اور تاکہ عذاب میں مبتلا کردے منافق مردوں اور منافق عورتوں، مشرک مردوں اور عورتوں کو جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں برے گمان رکھتے ہیں انہیں ہی پر ہے گردش اور ناراض ہوا ہے اللہ تعالیٰ ان پر اور (اپنی رحمت سے) انہیں دور کر دیا ہے اور تیار کر رکھا ہے ان کے لیے جہنم اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے زیر فرمان ہیں سارے لشکر آسمانوں اور زمین کے اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب بڑا دانا ہے''۔

الظَّآنِّیۡنَ بِاللّٰہِ ظَنَّ السَّوۡءِ یعنی انہوں نے گمان کیا کہ نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ کی طرف نہیں لوٹیں گے اور نہ ہی آپ کے صحابہ میں سے کوئی واپس لوٹے گا یہ اس وقت ان کا گمان تھا جب آپ حدیبیہ کے لیے نکلے تھے اور ان کا یہ گمان تھا کہ مشرک تباہ و برباد کر دیں گے جس طرح کہا: بَلۡ ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ لَّنۡ یَّنۡقَلِبَ الرَّسُوۡلُ وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِلٰۤی اَہۡلِیۡہِمۡ اَبَدًا خلیل اور سیبویہ نے کہا: اس سے یہاں مراد فساد ہے۔

عَلَیۡہِمۡ دَآئِرَۃُ السَّوۡءِ دنیا میں ان پر بری گردش ہوگی انہیں قتل کیا جائیگا اور انہیں قیدی بنالیا جائیگا اور آخرت میں جہنم ہے۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے پڑھا دائرۃ السُّوء یعنی ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور جبکہ باقی قراء نے فتحہ دیا۔ جوہری نے کہا: ساءہ یسوءہ سَوۡءًا، مَسَاءَۃ، مَسَائِیہ یہ سر کی ضد ہے اس کا اسم السُّوء ہے اسے علیہم دائرۃ السُّوء بھی پڑھا گیا ہے یعنی شکست اور تکلیف، جس نے اسے فتحہ دیا اس نے اسے مساءۃ سے مشتق مانا ہے۔

وَ غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ وَ لَعَنَہُمۡ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ جَہَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا ﴿۶﴾ وَ لِلّٰہِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا ﴿۷﴾ اس کے بارے میں گفتگو کئی دفعہ گزر چکی ہے الحمد للہ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب صلح حدیبیہ ہوئی تو ابن ابی نے کہا: کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ گمان کرتے ہیں کہ جب اہل مکہ سے صلح کریں گے یا مکہ کو فتح کرلیں گے تو اس کا کوئی دشمن نہیں رہے گا ایرانی اور رومی کہاں ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس امر کو بیان کیا کہ آسمانوں اور زمین کے لشکر ایرانیوں اور رومیوں سے زیادہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تمام مخلوقات داخل ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ سے مراد فرشتے ہیں اور زمین کے لشکر مومن ہیں۔ اس کو دوبارہ ذکر کیا کیونکہ جس کا ذکر پہلے ہوا تھا وہ قریش میں سے مشرکوں کے ذکر کے بعد تھا اور یہ منافقوں اور باقی ماندہ مشرکوں کے ذکر کے بعد ہے دونوں مقامات پر مراد خوفزدہ کرنا اور ڈرانا ہے اگر اللہ تعالیٰ منافقوں اور مشرکوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے تو یہ چیز اسے عاجز نہ کرسکتی لیکن اللہ تعالیٰ ایک معین عرصہ تک انہیں مہلت دیتا ہے۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًاۙ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا۝

”بے شک ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر (اپنی رحمت کی) خوشخبری سنانے (عذاب سے) بروقت ڈرانے والا تا کہ اے لوگو! تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور تا کہ تم ان کی مدد کرو اور دل سے ان کی تعظیم کرو اور پاکی بیان کرو اللہ کی صبح اور شام“۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا قتادہ نے کہا: ہم نے آپ کو آپ کی امت پر گواہ بنا کر بھیجا ہے کہ انہوں نے حق کی تبلیغ کی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر گواہ بنا کر بھیجا کہ انہوں نے اطاعت یا معصیت میں سے جو اعمال کیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے آپ کو انکے لیے ان امور کو بیان کرنے والا بنا کر بھیجا جن کے ساتھ ہم نے آپ کو ان کی طرف بھیجا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کے روز ان پر گواہی دیں گے۔ سورۃ النساء میں حضرت سعید بن جبیر کی روایت سے یہ معنی واضح طور پر گذر چکا ہے۔

مُبَشِّرًا جو اطاعت کرے اس کو جنت کی بشارت دینے والا بنا کر بھیجا گیا وَّ نَذِیْرًا اور آگ سے خبر دار کرنے والا بنا کر بھیجا گیا اسے جو نافرمانی کرے؛ یہ قتادہ اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ سورۂ بقرہ میں بشارت اور نذارت کا اشتقاق اور دونوں کا معنی گذر چکا ہے۔ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا۝ تینوں کو حال مقدرہ کی حیثیت سے نصب دی گئی ہے سیبویہ نے یہ مثال بیان کی ہے مررت برجل معه صقر صائدا غدا معنی ہے بے شک ہم نے آپ کو بھیجا اس حال میں کہ ہم آپ کی شہادت کو قیامت کے روز مقدر کرنے والے ہیں اسی بنا پر تو کہتا ہے: رایت عمرا قائما غدا۔

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ابن کثیر، ابن محیصن اور ابو عمرو نے لیؤمنوا پڑھا ہے اسی طرح یعزروہ ویوقروہ ویسبحوہ سب کو یاء کے ساتھ خبر کے طور پر پڑھا ہے؛ ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ مومنوں کا اس سے پہلے اور اس کے بعد میں ذکر موجود ہے جہاں تک اس سے ماقبل کا تعلق ہے تو وہ لِیُدْخِلَ اور جہاں تک اس کے بعد کا تعلق ہے تو وہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ ہے باقی قراء نے تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے؛ اسے ابو حاتم نے پسند کیا وَ تُعَزِّرُوْهُ تم اس کی عظمت

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 312

بجالاؤ اور تفخیم شان کا اہتمام کرو؛ یہ حضرت حسن بصری اور کلبی کا نقطہ نظر ہے۔ تعزیر کا معنی تعظیم و توقیر ہے۔ قتادہ نے کہا: تم اس کی مدد کرو اور اس کا دفاع کرو اسی سے حد میں تعزیر ہوتی ہے کیونکہ یہ بھی انسان کو برے اعمال سے روکتی ہے۔ قشیری نے کہا:

أَلا بَكَرَتْ مَيٌّ بغير سَفَاهَةٍ تُعَاتِبُ والمَوْدُودُ ينفعه التعزر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تقاتلون معه بالسيف تم آپ کی معیت میں تلوار کے ساتھ قتال کرتے ہو۔ بعض اہل لغت نے کہا: تم آپ کی اطاعت کرتے ہو (1) وَتُوَقِّرُوْهُ یعنی تم آپ کو سردار بناتے ہو (2)؛ یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم اس کی عظمت بجالاتے ہو۔ توقیر کا معنی تعظیم کرنا ہے۔ دونوں میں ھاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے یہاں وقف تام ہے پھر تو کلام کو شروع کرے گا وَتُسَبِّحُوْهُ تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو گے بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ صبح و شام۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غائب کی ضمیریں تمام کی تمام اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اس صورت میں ہوگا تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ یعنی تم اس کے لیے ربوبیت کی صحت کو ثابت کرو اور اس کے لیے اس امر کی نفی کرو کہ اس کا کوئی بچہ ہو یا شریک ہو؛ قشیری نے اس قول کو پسند کیا ہے۔ پہلا قول ضحاک کا ہے اس تعبیر کی صورت میں کلام کا کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہوگا وہ وَتُسَبِّحُوْهُ ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں بعض حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹے گا وہ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ہے یعنی تم آپ کو رسالت اور نبوت کے لقب سے بلایا کرو نام اور کنیت سے نہ بلایا کرو۔

وَتُسَبِّحُوْهُ کی دو صورتیں ہیں: (1) تسبیح سے مراد اللہ تعالیٰ کی ہر قبیح امر سے پاکی بیان کرنا ہے یا اس سے مراد نماز کا فعل ہے جس میں تسبیح ہوا کرتی ہے بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ صبح و شام۔ اس بارے میں گفتگو پہلے گذر چکی ہے۔ شاعر نے اس لفظ سے یہ معنی لیا ہے:

لَعَمْرِي لأنت البيتُ أُكْرِمُ أهْلَهُ وأجلس في أَفْيَائه بالأصائل(3)

میری زندگی کی قسم! تو ایسا گھر ہے جس کے مکینوں کی میں عزت کرتا ہوں اور شام کے وقت میں اس کے صحن میں بیٹھتا ہوں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

"(اے جان عالم) بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پس جس نے توڑ دیا اس بیعت کو تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی ذات پر ہوگا اور جس نے ایفاء کیا اس عہد کو جو اس نے اللہ سے کیا ہے تو وہ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا"۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ حدیبیہ میں آپ کی اطاعت کرتے ہیں اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ اس امر کی وضاحت کی کہ ان کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت یہ اللہ تعالیٰ کی بیعت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء: 80) یہ بیعت، بیعت رضوان ہے جس کی وضاحت اس سورت میں ان شاء اللہ آجائے گی۔

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 88 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 313 3۔ ایضاً

یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ثواب دینے میں ہاتھ ان کی وفا میں ہاتھ سے بڑھ کر ہے جس قدر وہ اطاعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہدایت دینے میں بڑھ کر ہے۔ کلبی نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا احسان اس سے بڑھ کر ہے جو انہوں نے بیعت کی ہے۔ ابن کیسان نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قوت اور نصرت ان کی قوت اور نصرت سے بڑھ کر ہے فَمَنْ نَّكَثَ جس نے بیعت کے بعد معاہدہ توڑا فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ تو وعدہ توڑنے کا ضرر اسی پر لوٹے گا کیونکہ اس نے اپنی ذات کے لیے ثواب کو حرام کر دیا ہے اور اپنے اوپر عقاب کو لازم کر دیا ہے وَ مَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ یعنی بیعت کرتے وقت اس نے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کیا ایک قول یہ کیا گیا ہے ایمان لاتے وقت جو اس نے وعدہ کیا تھا فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا۝ یعنی جنت میں۔ حفص اور زہری نے علیہُ پڑھا ہے اور باقی قراء نے اسے جر دی ہے۔ نافع، ابن کثیر اور ابن عامر نے اسے فسنوتیہ نون کے ساتھ پڑھا ہے؛ فراء اور ابو معاذ نے اسے پسند کیا ہے باقی قراء نے اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اسم قریب ہے۔

سَیَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَاۤ اَمْوَالُنَا وَ اَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلْ فَمَنْ یَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ؕ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا۝۱۱

''عنقریب آپ سے عرض کریں گے وہ دیہاتی جو پیچھے چھوڑے گئے تھے: ہمیں بہت مشغول رکھا ہمارے مالوں اور اہل و عیال نے پس ہمارے لیے معافی طلب کریں (اے حبیب) یہ اپنی زبانوں سے ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں، آپ انہیں فرمایئے: کون ہے جو اختیار رکھتا ہے تمہارے لیے اللہ کے مقابلہ میں کسی چیز کا' ارادہ فرمائے تمہارے لیے کسی ضرر کا یا ارادہ فرمائے تمہارے لیے کسی نفع کا' بلکہ اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے پوری طرح باخبر ہے''۔

سَیَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ مجاہد اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد غفار، مزینہ، جہینہ، اشجع اور دیل کے بدو ہیں (1) یہ وہ بدو قبائل تھے جو مدینہ طیبہ کے قریب رہا کرتے تھے جب صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کا ارادہ کیا تھا تو یہ لوگ گھروں میں بیٹھ رہے تھے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوت دی تھی کہ وہ آپ کے ساتھ چلیں وہ قریش سے ڈر کی وجہ سے گھروں میں بیٹھے رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا، قربانی کے جانور ساتھ لیے تاکہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ آپ جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے انہوں نے گرانی محسوس کی اور کام کاج کا بہانا بنایا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ انہیں مخلفون کہا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت سے پیچھے رکھا تھا مخلف کا معنی متروک ہے۔ سورۃ البراۃ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

شَغَلَتْنَاۤ اَمْوَالُنَا وَ اَهْلُوْنَا یعنی کوئی ایسا آدمی نہیں جو ان امور کو سر انجام دے سکے فَاسْتَغْفِرْ لَنَا وہ مغفرت طلب کرتے

1۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 258

ہوئے آئے جبکہ ان کا اعتقاد ان کے ظاہر کے خلاف تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل و رسوا کر دیا ارشاد فرمایا: يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ یہ ان کا خالص نفاق تھا۔ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا حمزہ اور کسائی نے صرف یہاں ضُرًّا پڑھا ہے یعنی ایسا امر جو تمہیں نقصان پہنچائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد شکست ہے باقی قراء نے اسے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ ضررتہ ضرًا کا مصدر ہے۔ جب ضاد پر ضمہ ہو تو اس سے مراد وہ چیز ہے جو انسان کو برائی لاحق ہوتا ہے مصدر ایک دفعہ اور زیادہ دفعہ فعل کے وقوع کے معنی پر دلالت کرتا ہے: اسے ابو عبید اور ابو حاتم نے پسند کیا ہے: دونوں نے کہا: یہ نفع کے بالمقابل ہے جو ضر کی ضد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں لغتوں کا ایک ہی معنی ہے جس طرح فَقْر اور فُقْر، ضَعْف اور ضُعْف۔ أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا نفع سے مراد مدد اور غنیمت ہے۔ یہ ان کا رد ہے جب انہوں نے یہ گمان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہیں گے تو یہ ان سے تکلیف کو دور کر دے گا اور ان کے لیے جلدی نفع لائے گا۔

بَلْ ظَنَنتُمْ أَن لَّن يَنقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝

”حقیقت یہ ہے کہ تم نے خیال کر لیا تھا کہ اب ہرگز لوٹ کر نہیں آئیگا یہ پیغمبر اور ایمان والے اپنے اہل خانہ کی طرف کبھی اور بڑا خوش نما لگتا تھا یہ ظن (فاسد) تمہارے دلوں کو اور تم طرح طرح کے برے خیالوں میں مگن رہے اس وجہ سے تم برباد ہونے والی قوم بن گئے“۔

بَلْ ظَنَنتُمْ أَن لَّن يَنقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا یہ گمان اس لیے تھا کہ انہوں نے کہا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی بہت تھوڑے ہیں وہ واپس نہیں پلٹیں گے وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ اسم اشارہ سے مراد نفاق ہے فِي قُلُوبِكُمْ یہ تزیین شیطان کی طرف سے تھی یا اللہ نے ان کے دلوں میں یہ چیز پیدا کر دی تھی وَظَنَنتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ظن سوء یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مدد نہیں کرے گا وَكُنتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝ بور اسے مراد ہلاک ہونے والے: یہ مجاہد کا قول ہے (1)۔ قتادہ نے کہا: وہ فسادی لوگ ہیں وہ بھلائی میں سے کسی چیز کے قابل نہیں (2)۔ جوہری نے کہا: بور سے مراد ایسا آدمی ہے جو فسادی ہے، ہلاک ہونے والا ہے جس میں کوئی بھلائی نہیں۔ عبد اللہ بن زبعری سہمی نے کہا:

یا رسول الملیك إن لسانی　راتق ما فتقت إذ أنا بور (3)

اے اللہ کے رسول! جب سے میں گمراہ اور تباہ حال تھا اس وقت میری زبان نے جو چاق کیے اب میری زبان انہیں سینے والی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے: امرأۃ بور۔ ابو عبید نے اس کو بیان کیا ہے قوم بور، یعنی ہلاک ہونے والی قوم۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَكُنتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝ بور یہ بائر کی جمع ہے جس طرح حائل کی جمع حول آتی ہے۔ قد بار فلان، یعنی فلاں ہلاک ہو گیا۔ اباره اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بُورًا کا معنی شریر لوگ، یہ ابن بحر نے کہا: حضرت حسان

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 92　2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 314　3۔ ایضاً

بن ثابت نے کہا:

لاینفع الطُول من نُوكِ الرجال وقد یهدی الإله سبیل المَعْشَر البور(1)

اس میں البور کا معنی ہلاک ہونے والا ہے۔

وَ مَنْ لَّمْ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَعِیْرًا ۝

''اور جو نہ ایمان لے آئے اللہ اور اس کے رسول پر تو بے شک ہم نے ان تمام کافروں کے لیے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے''۔

یہ ان کے لیے وعید ہے اور اس امر کی وضاحت ہے کہ انہوں نے نفاق اپنا کر کفر کیا۔

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝

''اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، بخش دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور سزا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

وہ اپنے بندوں سے غنی ہے، اللہ تعالیٰ نے احکام کا مکلف بنا کر انہیں آزمایا تاکہ جو ایمان لائے اس کو ثواب دیں اور جو کفر و نافرمانی کرے اسے سزا دے۔

سَیَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰی مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَیَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا یَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝

''کہیں گے (پہلے غزجہاد سے) پیچھے چھوڑے جانے والے جب تم روانہ ہوئے اموال کی طرف تاکہ تم ان پر قبضہ کر لو ہمیں بھی اجازت دو کہ تمہارے پیچھے پیچھے آئیں وہ چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کے حکم کو بدل دیں۔ فرمائیے: تم قطعاً ہمارے پیچھے نہیں آ سکتے یونہی فرما دیا اللہ تعالیٰ نے پہلے سے پھر وہ کہیں گے کہ نہیں بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو (ان کا یہ خیال غلط ہے) درحقیقت وہ احکام الٰہی کے اسرار کو بہت کم سمجھتے ہیں''۔

سَیَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰی مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا مراد خیبر کی غنیمتیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل حدیبیہ سے فتح خیبر کا وعدہ کیا تھا یہ حکم ان کے لیے ہی خاص تھا وہ غزوہ خیبر میں حاضر تھے یا غائب تھے اور اہل حدیبیہ میں سے حضرت جابر کے علاوہ کوئی غائب نہیں تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اسی طرح حصہ رکھا جس طرح ان لوگوں کا حصہ رکھا تھا جو غزوہ خیبر میں موجود تھے خیبر کی تقسیم کے ذمہ دار حضرت جبار بن صخر انصاری جو بنی سلمہ سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت زید بن ثابت

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 314

جو بنی نجار سے تعلق رکھتے تھے دونوں حساب کو سمجھنے والے اور تقسیم کرنے والے تھے۔

ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ہمیں چھوڑ دو تو کہتا ہے: ذرہ یعنی تو اسے چھوڑ دے ھو یذرہ، وہ اسے چھوڑ دیتا ہے۔ اس کی اصل وذرہ یذرہ ہے جس طرح وسعہ یسعہ ہے اس کا پہلا حرف حذف کر دیا گیا ہے اسے وذرہ کہتے ہیں ورہ ذرہ نہیں کہتے بلکہ کہتے ہیں: ترکہ وھو تارک۔

مجاہد نے کہا: وہ مکہ کی طرف نکلنے کی بجائے گھروں میں بیٹھے رہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور لوگوں کو ساتھ لیا اور ان کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے کہا: ہمیں چھوڑ دو ہم تمہارے پیچھے پیچھے آتے ہیں اور تمہارے ساتھ مل کر جنگ کرتے ہیں۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی کلام کو تبدیل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے **فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا** (التوبہ: 83) طبری اور دوسرے علماء نے اس قول کا انکار کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ غزوہ تبوک فتح خیبر اور فتح مکہ کے بعد ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں (1) جو اللہ تعالیٰ نے اہل حدیبیہ سے کیا تھا اس کی وجہ یہ تھی اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے عوض خیبر کی غنیمتیں ان کے لیے خاص کر دی تھیں کیونکہ وہ حدیبیہ سے صلح پر واپس آ گئے تھے؛ یہ مجاہد اور طبری کا قول ہے اسے ہی طبری نے پسند کیا ہے؛ عام علماء کی یہی رائے ہے حمزہ اور کسائی نے كَلِمَ پڑھا ہے یعنی الف کو ساقط کیا ہے اور لام کو کسرہ دیا ہے یہ کلمہ کی جمع ہے جس طرح سمہ اور سلیم ہے باقی قراء نے اسے کلام پڑھا ہے جو مصدر ہے اسے ابو عبید اور ابو حاتم نے پسند کیا وہ اس ارشاد: **اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ** (الاعراف: 144) پر قیاس کیا ہے۔ کلام اس جملہ کو کہتے ہیں جو معنی دینے میں مستقل ہو۔ جوہری نے کہا: کلام اسم جنس ہے جو قلیل و کثیر دونوں پر واقع ہوتی ہے اور کلم تین کلمات سے کم نہیں ہوتی کیونکہ یہ کلمہ کی جمع ہے جس طرح نبقہ اور نبق ہے اسی وجہ سے سیبویہ نے کہا: هذا باب علم ما الكلم من العربية یہاں اس نے الکلام کا لفظ ذکر نہیں کیا کیونکہ اس نے تین چیزوں کا ارادہ کیا تھا اسم، فعل، حرف۔ تو کلم کا لفظ صرف جمع کے لیے ہی بولا جاتا ہے جہاں ایک اور جماعت پر واقع ہوا سے ترک کر دیا جاتا ہے۔ تمیم کہتا ہے: یہ کِلمہ ہے یعنی کاف مکسور ہے۔ سورۂ براء میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ یعنی حدیبیہ سے ہمارے لوٹنے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرما دیا تھا کہ خیبر کی غنیمتیں صرف ان لوگوں کے لیے ہیں جو حدیبیہ میں حاضر تھے۔

فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا یعنی ہم تمہارے ساتھ غنیمت لیں گے۔۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان خرجتم لم أمنعكم الا أنه لا سهم لكم اگر تم نکلو گے تو میں نہیں روکوں گا مگر تمہارا کوئی حصہ نہیں ہوگا، تو انہوں نے کہا: یہ تو حسد ہوا۔ مسلمانوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ میں ہمیں وہ بتا دیا تھا جو وہ کہنے والے تھے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا** اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا** ۝ یعنی وہ صرف دنیا کے امور کو ہی

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 93

جانتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دین کے معاملہ کو تھوڑا ہی سمجھتے ہیں وہ جہاد کو ترک کرتا ہے۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

''فرما دیجئے ان پیچھے چھوڑے جانے والے بدوی عربوں کو کہ عنقریب تمہیں دعوت دی جائیگی ایک ایسی قوم سے جہاد کی جو بڑی سخت جنگ جو ہے تم ان سے لڑائی کرو گے یا وہ ہتھیار ڈال دیں گے، پس اگر تم نے اس وقت اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اچھا اجر دے گا اور اگر تم نے اس وقت بھی منہ موڑا جیسے پہلے تم نے منہ موڑا تھا تو تمہیں اللہ تعالیٰ دردناک عذاب دے گا''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ یعنی ان سے کہیں جو صلح حدیبیہ کے موقع پیچھے چھوڑے گئے تھے(1) سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطا بن ابی رباح، مجاہد، ابن ابی لیلیٰ اور عطا خراسانی نے کہا: وہ ایرانی لوگ ہیں۔ کعب، حضرت حسن بصری اور عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے کہا: وہ رومی ہیں۔ حضرت حسن بصری سے یہ بھی مروی ہے: وہ ایرانی اور رومی لوگ ہیں۔ ابن جبیر نے کہا: مراد ہوازن ثقیف ہیں۔ عکرمہ نے کہا: مراد ہوازن ہیں۔ قتادہ نے کہا: مراد غزوہ حنین کے موقع پر ہوازن اور غطفان ہیں(2)۔ زہری اور مقاتل نے کہا: مراد بنو حنیفہ ہیں جو اہل یمامہ تھے(3) جو مسیلمہ کذاب کے ساتھی تھے۔ رافع بن خدیج نے کہا: اللہ کی قسم! ہم اس آیت سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ پڑھا کرتے تھے ہم نہیں جانتے تھے کہ وہ کون لوگ ہیں یہاں تک کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہمیں بنو حنیفہ سے قتال کی دعوت دی تو ہمیں علم ہو گیا کہ وہ لوگ بنو حنیفہ ہی ہیں(4)۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا: اس آیت کا مصداق ابھی ظاہر نہیں ہوا، جبکہ آیت کا ظاہر اس کا رد کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی امامت کی صحت پر دلیل ہے کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بنو حنیفہ سے جنگ کرنے کی دعوت دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ایرانیوں اور رومیوں سے جنگ کرنے کی دعوت دی۔ جہاں تک عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے کہ مراد ہوازن اور غطفان ہیں جن سے غزوہ حنین میں مقابلہ ہوا تو اس میں یہ دلیل نہیں کیونکہ یہ امر ممتنع ہے کہ ان کے لیے داعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا (التوبہ: 83) تو یہ اس امر پر دال ہے کہ داعی سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے علاوہ کوئی اور ذات ہے۔ یہ بات بھی معلوم و مشہور ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس قوم کو دعوت نہیں

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1705
2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 96
3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 316
4۔ ایضاً

دی مگر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق نے انہیں دعوت دی۔ زمخشری نے کہا: اگر یہ قتادہ سے ثابت ہو تو معنی ہوگا تم اس وقت تک میرے ساتھ نہیں نکل سکو گے جب تک تم میں دل کا مرض اور دین میں اضطراب موجود ہے یا یہ مجاہد کے قول کے مطابق ہے تو ان کے ساتھ معاہدہ یہ ہوگا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہیں کریں گے مگر بطور نفل ان کا غنیمت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ یہ ان لوگوں کے لیے حکم ہے جس سے جزیہ وصول نہیں کیا جاتا۔ یُسْلِمُوْنَ کا عطف تُقَاتِلُوْنَهُمْ پر ہے یعنی دو امروں میں سے ایک امر ہوگا یعنی جنگ یا اسلام۔ ان کی تیسری صورت نہیں۔ حضرت ابی کی قرات میں او یسلموا یہ حتی یسلموا کے معنی میں ہے جس طرح تو کہتا ہے: کُلْ أَوْ تشبع یعنی حتی تشبع شاعر نے کہا:

فقلت له لا تَبْكِ عَيْنُكَ إنما	نحاول مُلْكًا أو نموت فنُعْذَرا(1)

میں نے اسے کہا: تیری آنکھ نہ روئے بے شک ملک حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہاں تک کہ ہمیں موت آ جائے تو ہم معذور ہو جائیں۔

زجاج نے کہا فرمایا: اَوْ يُسْلِمُوْنَ کیونکہ معنی ہے أو يسلمون من غير قتال یعنی جنگ کے بغیر اطاعت قبول کر لیں۔ یہ حکم مشرکوں سے جنگ کرنے کے بارے میں ہے اہل کتاب کے بارے میں نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا اجر حسن سے مراد دنیا میں غنیمت اور مدد ہے اور آخرت میں جنت ہے وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ قبل سے مراد حدیبیہ کے موقع پر سفر ہے يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ عذاب الیم سے مراد آگ کا عذاب ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۷

"نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ ہی مریض پر کوئی گناہ ہے اگر یہ شریک جہاد نہ ہو سکیں، اور جو شخص اطاعت کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی داخل فرمائے گا اسے باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں اور جو شخص روگردانی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے دردناک عذاب دے گا"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ تو اپاہج لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا کیا حال ہوگا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ یعنی وہ لوگ جو نابینا ہونے، اپاہج ہونے اور کمزور ہونے کی بنا پر جہاد

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 132

سے پیچھے رہتے ہیں ان پر کوئی گناہ نہیں۔ سورۂ براءۃ اور دوسری سورتوں میں اس بارے میں گفتگو مفصل گذر چکی ہے۔ عرج کی بیماری کو کہتے ہیں جو ایک ٹانگ کو لاحق ہوتی ہے جب ایک میں تکلیف موثر ہے تو دونوں ٹانگوں میں مرض بدرجہ اولیٰ موثر ہوگی۔ مقاتل نے کہا: مراد اپاہج لوگ ہیں جو حدیبیہ کی مہم میں شریک نہیں ہو سکے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معذور قرار دیا تھا یعنی ان میں سے جو تمہارے ساتھ خیبر جانا چاہتا ہے تو وہ ایسا کرے۔

وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ان امور میں اطاعت کی جس کا اسے حکم دیا گیا یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ نافع ابن عامر نے اسے ندخلہ پڑھا ہے مقصود تعظیم ہے باقی قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ پہلے اللہ تعالیٰ کا نام ہے وَ مَنْ یَّتَوَلَّ یُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۷﴾۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۱۸﴾ وَّ مَغَانِمَ كَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۱۹﴾

''یقیناً راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ سے اس درخت کے نیچے پس جان لیا اس نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پس اتارا اس نے اطمینان کو ان پر اور بطور انعام انہیں یہ قریبی فتح بخشی اور بہت سی غنیمتیں بھی عطا کیں جن کو وہ عنقریب حاصل کریں گے، اور اللہ سب سے زبردست بڑا دانا ہے''۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ یہ بیعت رضوان ہے یہ حدیبیہ میں ہوئی۔ اختصار کے ساتھ حدیبیہ کا واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ مصطلق سے واپسی پر شوال میں مدینہ طیبہ میں مقیم رہے اور ذی قعدہ میں عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کی طرف نکلے آپ نے مدینہ طیبہ کے پڑوس میں رہنے والے بدوؤں کو بھی اس سفر میں شریک ہونے کی دعوت دی تو ان میں سے اکثر اس میں شریک نہ ہوئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین، انصار اور عربوں میں سے جو آپ کے ساتھ شریک ہوئے انہیں لے کر روانہ ہوئے مجموعی تعداد ایک ہزار چار سو تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا: تعداد پندرہ سو تھی۔ اس کے علاوہ بھی قول کیا گیا ہے جس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔ آپ نے قربانی کے جانور بھی ساتھ لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا تاکہ لوگوں کو بتائیں کہ آپ جنگ کے لیے نہیں نکلے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر کی خبر قریش کو ہوئی تو ان کی جمعیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد حرام اور مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے نکلی اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے جنگ کریں گے تو وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں گے انہوں نے خالد بن ولید کو گھڑ سوار دستہ کے ساتھ کراع الغمیم کی طرف روانہ کر دیا یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی جبکہ آپ عسفان میں تھے آپ کا مخبر مبشر بن سفیان کعبی تھا آپ نے ایک راستہ اختیار کیا جو آپ کو ان کے پیچھے پہنچانے والا تھا اور آپ مکہ مکرمہ کے زیریں علاقہ کی جانب سے حدیبیہ تک جا پہنچے اس بارے میں آپ کی راہنمائی کرنے والا بنو اسلم کا ایک آدمی تھا۔ جب یہ خبر ان قریش کو پہنچی جو خالد بن ولید کے ساتھ تھے تو وہ

قریش کی طرف چلے تاکہ انہیں اس خبر سے آگاہ کریں جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ تک پہنچے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی لوگوں نے کہا: یہ بغیر کسی وجہ کے بیٹھ گئی ہے اور یہ اڑی کر گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اس نے اڑی نہیں کی نہ اس کا یہ طریقہ ہے لیکن اسے اس ذات نے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ آج قریش جس معاہدہ کی طرف مجھے دعوت دیں گے جس میں صلہ رحمی ہو تو میں انہیں وہ تحریر دے دوں گا'' پھر رسول اللہ ﷺ وہاں فروکش ہوئے عرض کی گئی: یا رسول اللہ! ﷺ اس وادی میں پانی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ترکش سے تیر نکالا اور اپنے صحابہ میں سے ایک ساتھی کو عطا فرمایا تو وہ اس وادی کے ایک بے آباد کنواں میں سے ایک کنوئیں میں اترا اس نے وسط میں اسے گاڑھا تو کثیر پانی سے وہ جوش مارنے لگا یہاں تک کہ وہ پانی سب لشکر کو کافی ہو گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو آدمی تیر کے ساتھ اس کنوئیں میں اترا تھا وہ حضرت ناجیہ بن جندب بن عمیر اسلمی تھے وہ اس دن نبی کریم ﷺ کے قربانی کے جانوروں کو ہانکنے والے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کنوئیں میں تیر لے کر جانے والے حضرت براء بن عازب تھے اس کے بعد نبی کریم ﷺ اور قریش کے کفار کے درمیان سفارت کا سلسلہ جاری ہوا سفراء کی آمد و رفت اور باہم نزاع لمبا ہوتا گیا یہاں تک کہ سہیل بن عمرو عامری آیا تو اس نے آپ کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ آپ ﷺ اس سال واپس چلے جائیں گے جب اگلا سال آئے گا تو عمرہ کے ارادہ سے آئیں گے، آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ مکہ مکرمہ میں بغیر اسلحہ داخل ہونگے صرف ان کے پاس تلواریں ہونگی وہ بھی نیاموں میں ہونگی سرور دو عالم ﷺ اور قریش کے درمیان صلح رہے گی، لوگ ان سالوں میں ایک دوسرے سے ملیں گے وہ ایک دوسرے سے امن میں ہوں گے، کفار میں سے جو مرد یا عورت مسلمان ہو کر مسلمانوں کے پاس آئے گا اسے کفار کی طرف لوٹا دیا جائیگا اور مسلمانوں میں سے جو مرتد ہو کر کفار کے پاس چلا جائے گا تو اسے مسلمانوں کے سپرد نہیں کیا جائے گا۔ یہ معاہدہ مسلمانوں پر بڑا شاق گذرا یہاں تک کہ بعض نے اس بارے میں گفتگو بھی کی۔ رسول اللہ ﷺ بخوبی آگاہ تھے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکالے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ کر دیا تھا۔ حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''تم صبر کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس صلح کو اپنے دین کے غلبہ کا سبب بنا دے گا'' پہلے صحابہ کے دلوں میں کچھ دوری پیدا ہو چکی تھی کہ اس گفتگو کے بعد ان میں انس پیدا ہو گیا۔

سہیل بن عمرو نے اس بات سے انکار کر دیا کہ صلح نامہ کے سرنامہ پر محمد رسول اللہ ﷺ لکھے قریش نے آپ سے کہا: اگر ہم آپ کی تصدیق کر دیں تو ہم آپ کو اس بات سے کیوں روکیں جس کا آپ ارادہ کرتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ آپ لکھیں باسمک اللھم حضرت علی شیر خدا نے اپنے ہاتھ سے محمد رسول کے لفظ کو مٹانے سے انکار کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اسے مجھ پر پیش کرو'' تو رسول اللہ ﷺ نے وہ الفاظ اپنے ہاتھوں سے مٹا دیے اور حکم دیا کہ وہ لکھیں محمد بن عبد اللہ صلح کی تحریر کے بعد اسی روز حضرت ابو جندل بن سہیل آئے جبکہ وہ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ نے انہیں ان کے والد کے حوالے کر دیا۔ یہ عمل مسلمانوں پر بڑا شاق گذرا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں بتایا اور ابو جندل کو بھی بتایا کہ ''اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی نہ کوئی راہ پیدا فرما دے گا''۔

رسول اللہ ﷺ نے صلح سے پہلے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کی طرف قاصد بنا کر بھیجا تھا رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچی کہ اہل مکہ نے آپ کو قتل کر دیا ہے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو دعوت دی کہ وہ اہل مکہ سے جنگ کرنے کی بیعت کریں۔ ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے موت پر بیعت لی۔ ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ نے ان سے یہ بیعت لی کہ وہ نہیں بھاگیں گے۔ یہ ایک درخت کے نیچے بیعت رضوان تھی رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ بتایا کہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اور یہ بتایا کہ وہ آگ میں داخل نہیں ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا تا کہ یہ حضرت عثمان کی جانب سے بیعت ہو جائے تو گویا وہ ایسے ہو گئے جیسے وہ حاضر ہیں۔ وکیع نے اسماعیل بن ابی خالد سے وہ شعبی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے روز سب سے پہلے جس نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ حضرت ابو سفیان اسدی تھے۔

صحیح مسلم میں ابو زبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ہم حدیبیہ کے روز چودہ سو تھے (1) ہم نے آپ کی بیعت کی جبکہ حضرت عمر آپ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے وہ سمرہ کا درخت تھا، کہا: ہم نے آپ کی اس امر پر بیعت کی کہ ہم نہیں بھاگیں گے، ہم نے موت پر آپ کی بیعت نہیں کی تھی۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے یہ سنا کہ حضرت جابر سے سوال کیا تھا کہ وہ حدیبیہ کے روز کتنے تھے؟ کہا: ہماری تعداد چودہ سو تھی، ہم نے آپ کی بیعت کی جبکہ حضرت عمر درخت کے نیچے آپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے وہ سمرہ کا درخت تھا ہم نے آپ کی بیعت کی۔ صرف جد بن قیس انصاری نے بیعت نہ کی وہ اپنے اونٹ کے پیٹ کے نیچے چھپ گیا تھا۔

سالم بن ابی جعد سے مروی ہے کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے اصحاب شجرہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: اگر وہ ایک لاکھ ہوتے تب بھی وہ ہمیں کفایت کر جاتی، ہماری تعداد پندرہ سو تھی۔ ایک روایت میں ہے: ہماری تعداد پندرہ سو تھی۔ عبد اللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے کہ بیعت کرنے والے تیرہ سو تھے، بنو اسلم مہاجرین کا آٹھواں حصہ تھے۔ یزید بن ابی عبید سے مروی ہے کہ میں نے سلمہ سے کہا: حدیبیہ کے روز تم نے کس چیز پر رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی؟ جواب دیا: موت پر۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا: صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت علی شیر خدا نے نبی کریم ﷺ اور مشرکین کے درمیان صلح نامہ لکھا یہ وہ تحریر ہے (2) جس پر رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ کیا ہے مشرکوں نے کہا: تم محمد رسول اللہ ﷺ نہ لکھو اگر ہم جانتے کہ آپ رسول اللہ ﷺ ہیں تو ہم آپ سے نہ لڑتے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی شیر خدا سے فرمایا: ''اسے مٹا دو'' تو حضرت علی نے عرض کی: مجھے یہ زیب نہیں دیتا کہ میں اسے مٹا دوں تو نبی کریم ﷺ نے اسے خود مٹا دیا۔ انہوں نے یہ شرط لگائی کہ وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے اور تین دن قیام کریں گے وہ مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہوں گے مگر جلبان

1۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، مبایعۃ الامام الجیش عند ارادۃ القتال، جلد 2، صفحہ 129

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، صلح الحدیبیۃ، جلد 2، صفحہ 103

مسلم۔ میں نے ابو اسحاق سے پوچھا: یہ جلبان السلاح سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: تھیلا اور اس میں جو کچھ ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قریش نے نبی کریم ﷺ سے صلح کی جن میں سہیل بن عمرو بھی تھا نبی کریم ﷺ نے حضرت علی شیر خدا سے فرمایا: لکھو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سہیل بن عمرو نے کہا: جہاں تک باسم اللہ کا تعلق ہے ہم اسے جانتے ہیں ہم بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو نہیں جانتے بلکہ وہ لکھو جو ہم جانتے ہیں یعنی باسمک اللھم فرمایا: ''لکھو محمد رسول کی جانب سے'' انہوں نے کہا: اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، تو ہم آپ کی پیروی کرتے بلکہ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھو۔ نبی کریم ﷺ فرمایا: ''لکھو محمد بن عبداللہ کی جانب سے'' انہوں نے نبی کریم ﷺ پر یہ شرط لگائی کہ جو آدمی آپ کی جانب سے ہمارے پاس آئیگا ہم اسے آپ کی طرف نہیں لوٹائیں گے اور ہم میں سے جو شخص آپ کے پاس آئے گا آپ اسے واپس کردیں گے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم یہ شرط لکھیں گے، فرمایا: ''ہاں! ہم میں سے جو ان کی طرف جائے گا اللہ تعالیٰ نے اسے دور کردیا اور ان میں سے جو ہمارے پاس آئے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی نہ کوئی راہ پیدا فرمادے گا''۔

ابووائل سے مروی ہے حضرت سہیل بن حنیف نے صفین کی جنگ کے دن کہا: اے لوگو! اپنی ذاتوں پر تہمت لگاؤ ہم حدیبیہ کے روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اگر ہم جنگ کی رائے رکھتے تو ضرور قتال کرتے (1) وہ صلح رسول اللہ ﷺ اور مشرکوں کے درمیان تھی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم حق پر نہیں اور وہ باطل پر نہیں؟ فرمایا: ''کیوں نہیں'' عرض کی: کیا ہمارے مقتول جنت میں نہیں اور ان کے مقتول دوزخ میں نہیں؟ فرمایا: ''کیوں نہیں'' عرض کی: ہم اپنے دین میں کیوں کمزوری دکھا رہے ہیں اور ہم واپس جارہے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا؟ فرمایا: ''اے خطاب کے بیٹے! میں اللہ کا رسول ہوں اللہ تعالیٰ مجھے کبھی بھی ضائع نہیں کرے گا'' کہا: حضرت عمر چلے گئے اور غصہ کی وجہ سے صبر نہ کر سکے وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہا: اے ابوبکر! کیا ہم حق پر نہیں اور وہ باطل پر نہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں پوچھا: کیا ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے مقتول جہنم میں نہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں۔ کہا: ہم اپنے دین میں کیوں کمزوری دکھا رہے ہیں ہم واپس جارہے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان اور ان کے درمیان ابھی تک فیصلہ نہیں کیا؟ فرمایا: اے ابن الخطاب! وہ اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ اسے کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ پر سورۂ فتح نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر کی طرف پیغام بھیجا اور اسے یہ سورت سنائی۔ حضرت عمر نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ کیا یہ فتح ہے؟ فرمایا: ''ہاں'' تو حضرت عمر کا نفس مطمئن ہوگیا اور واپس آگئے۔

فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ صحابہ کے دلوں میں جو صدق اور وفا موجود تھی اس کو اللہ تعالیٰ نے جان لیا (2)؛ یہ فراء کا قول ہے۔ ابن جریج اور قتادہ نے کہا: معنی ہے بیعت کے حکم پر ان کے راضی ہونے کو جان لیا کہ وہ نہیں بھاگیں گے۔ مقاتل نے کہا: بیعت کی ناپسندیدگی کو جان لیا کہ وہ موت تک آپ کی معیت میں جنگ کرتے رہیں گے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، صلح الحدیبیۃ، جلد 2، صفحہ 105

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 316

فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینہ کو نازل کیا یہاں تک کہ انہوں نے بیعت کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مشرکوں نے انہیں جو روکا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب پورا نہ ہوا اس پر مومنوں کے دل میں جو دکھ تھا اسے جان لیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تھا کہ آپ کعبہ شریف میں داخل ہونگے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ حالت نیند کا خواب تھا'' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس ارشاد میں اس سال داخل ہونے کا تو کوئی تذکرہ نہ تھا۔ سکینہ سے مراد طمانینت اور وعدہ کی صداقت پر سکون ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اس سے صبر ہے۔

وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا۝ قتادہ اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا: مراد خیبر کی فتح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد فتح مکہ ہے(1)۔ ایک قراءت یہ کی گئی ہے وآتاھم۔

وَمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا مراد خیبر کے اموال ہیں۔ خیبر جائیداد اور اموال والا تھا یہ حدیبیہ اور مکہ کے درمیان ہے مَغَانِمَ اس تعبیر کی بنا پر فَتْحًا قَرِيْبًا سے بدل ہے اور واؤ زائدہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَّمَغَانِمَ سے مراد فارس اور روم ہے۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۝

''(اے غلامان مصطفیٰ!) اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جنہیں تم اپنے اپنے وقت پر حاصل کرو گے پس جلدی دے دی ہے تمہیں یہ صلح اور روک دیا ہے اس نے لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے اور تاکہ ہو جائے یہ ہماری نصرت کی نشانی اہل ایمان کے لیے اور تاکہ ثابت قدمی سے گامزن رکھے تمہیں صراط مستقیم پر''۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: مراد قیامت کے دن تک غنیمتیں ہیں۔ ابن زید نے کہا: مراد خیبر کی غنیمتیں ہیں (2) فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ سے مراد خیبر ہے: یہ مجاہد کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد صلح حدیبیہ ہے۔

وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ النَّاس سے مراد اہل مکہ ہیں یعنی صلح کے ساتھ تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا۔ قتادہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حدیبیہ اور خیبر کی طرف نکلے تو مدینہ کے یہودیوں کو تم سے روک لیا؛ یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے(3) کیونکہ حدیبیہ کے موقع پر مشرکوں کے ہاتھوں کے روکنے کا ذکر وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ میں موجود ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ سے مراد عیینہ بن حصن فزاری، عوف بن مالک اور ان کے ساتھی ہیں کیونکہ وہ آئے تھے تاکہ اہل خیبر کی مدد کریں جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور مسلمانوں سے انہیں روک دیا۔

وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ان کی شکست اور تمہاری سلامتی مومنوں کے لیے نشانی ہو جائے اور اس سے وہ جان جائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی موجودگی میں اور ان کی عدم موجودگی میں ان کی حفاظت فرمائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے ہاتھوں کو تم

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 316 2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 103 3۔ ایضاً، جز 26، صفحہ 105

سے روک دینا مومنوں کے لیے نشانی ہو جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نعمت جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں جلدی عطا فرمائی ہے، مومنوں کے لیے اس بارے میں نشانی ہو جائے کہ آپ اس وعدہ میں سچے ہیں کہ وہ اس نعمت کو ضرور پائیں گے۔ وَلِتَكُونَ میں واؤ کوفیوں کے نزدیک زائد ہے۔ بصریوں نے کہا: یہ عاطفہ ہے اس کا عطف کلام مضمر پر ہے تقدیر کلام یہ ہے کف أیدی الناس عنکم لتشکروہ ولتکون آیۃ للمؤمنین۔

وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا۝ یعنی تمہیں مزید ہدایت سے نوازے گا یا تمہیں ہدایت پر ثابت قدم رکھے گا۔

وَأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا۝

"اور کئی مزید فتوحات بھی جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے لیکن وہ اللہ کے احاطہ قدرت میں ہیں اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے"۔

وَأُخْرَىٰ یہ ھذہ پر معطوف ہے تقدیر کلام یہ ہے گا فعجل لکم ھذہ المغانم و مغانم اخری۔

لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ فتوحات ہیں (1) جو مسلمانوں کو نصیب ہوئیں جس طرح فارس اور روم کا علاقہ اور اسی طرح کی دوسری فتوحات جو مسلمانوں کو نصیب ہوئیں؛ یہ حضرت حسن بصری، مقاتل اور ابن ابی لیلیٰ کا قول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے، ضحاک، ابن زید اور ابن اسحاق کا بھی یہ قول ہے: مراد خیبر ہے اللہ تعالیٰ نے فتح سے پہلے اپنے نبی سے اس کا وعدہ کیا مسلمان اس کی امید تک نہ رکھتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس فتح کی صحابہ کو خبر دی۔ حضرت حسن بصری سے یہ بھی مروی ہے اور قتادہ کا قول ہے مراد فتح مکہ ہے (2)؛ عکرمہ نے کہا: مراد حنین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا یہ اس امر پر دال ہے کہ اس کے لیے کوشش پہلے کی گئی اور فی الحال مطلوب کا حصول فوت ہو چکا تھا جس طرح مکہ مکرمہ کے بارے میں تھا؛ یہ قشیری کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: قیامت تک کے لیے فتوحات مراد ہیں اور قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لیے تیار کر رکھا ہے یہ اس چیز کی طرح ہے جس کو ہر طرف سے گھیر لیا گیا ہو یہ چیز محصور ہے اب اس کے فوت ہونے کا امکان نہیں تم اگرچہ اس وقت اس پر قادر نہیں ہو مگر یہ تمہارے لیے محبوس کی جا چکی ہے وہ تم سے فوت نہ ہوگی یعنی تمہارے ہاتھ سے نہ جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا سے مراد ہے وہ جانتا ہے کہ وہ تمہارے لیے ہے؛ جس طرح ارشاد فرمایا: وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۝ (الطلاق) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لیے محفوظ کر دیا ہے تاکہ اس کی فتح تمہارے لیے ہو۔

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا۝ سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلُ ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا۝

"اور اگر جنگ کرتے تم سے یہ کفار تو پیٹھ دے کر بھاگ جاتے پھر نہ پاتے دنیا بھر میں اپنا دوست اور

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 318 2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 47

مدد گار، یہ اللہ کا دستور ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے اور اللہ کے دستور میں تو ہرگز تبدیلی نہیں پائے گا"۔

وَ لَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ قتادہ نے کہا: مراد قریش کے کفار ہیں (1) جو حدیبیہ کے موقع پر موجود تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد بنو غطفان، بنو اسد اور کفار ہیں جنہوں نے اہل خیبر کی مدد کا ارادہ کیا تھا وبال انہیں پر جا پڑا۔

ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ۞ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ سنة سے مراد طریقہ اور عادت ہے جو اس نے اپنے دوستوں کی دشمنوں کے خلاف مدد کی۔ سنة کا لفظ مفعول مطلق کے طور پر منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سُنَّةَ اللّٰهِ سے مراد کسنة الله، ہے سنة کا معنی طریقہ اور سیرت ہے، شاعر کہتا ہے:

فلا تجزَعَن من سِيرة أنت سِرتَها فأوّلُ راضٍ سُنَّةً من يَسِيرها

جس طریقہ پر تو چلا ہے اس سے نہ گھبرا جو آدمی کسی راستہ پر چلتا ہے وہی اس پر راضی ہوتا ہے۔

سنة کا معنی یہ بھی ہے یہ مدینہ کی کھجوروں کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔

وَ هُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۞

"اور اللہ وہی ہے جس نے روک دیا تھا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے وادی مکہ میں باوجودیکہ تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے تھے خوب دیکھ رہا تھا"۔

وَ هُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ اس سے مراد حدیبیہ ہے۔ یزید بن ہارون نے روایت نقل کی ہے کہ حماد بن سلمہ، ثابت سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کے اسی افراد مسلح ہو کر تنعیم پہاڑ سے اترے وہ بے خبری کے عالم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے ہم نے انہیں جھگڑے کے بغیر پکڑ لیا اور انہیں زندہ رہنے کا موقع دیا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جس درخت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے اسی اثنا میں کہ ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ تیس نوجوان ہمارے سامنے آگئے جو مسلح تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا هل جئتم في عهد أحد أو هل جعل لكم أحد أمانا کیا تم کسی فرد کے عہد و پیمان میں یہاں آئے ہو یا کسی نے تمہیں امان دی ہے۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! نہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جانے دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

ابن ہشام نے وکیع سے ذکر کیا ہے: قریش کے ستر یا اسی افراد مسلمانوں پر غارت گری مچانے اور ان کے اطراف میں کوئی موقع تلاش کرنے کے لیے آئے مسلمان ان کا ارادہ بھانپ گئے تو مسلمانوں نے انہیں قیدی بنا لیا یہ اس وقت ہوا جب

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 108

صلح کے بارے میں گفتگو کے لیے سفراء آ جا رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے انہیں چھوڑ دیا۔ ان افراد کو عتقاء کہا جاتا ان میں حضرت معاویہ اور ان کے والد بھی تھے۔

مجاہد نے کہا: نبی کریم ﷺ عمرہ کے ارادہ سے نکلے کہ بے خبری کے عالم میں آپ ﷺ کے صحابہ نے حرم سے کچھ افراد کو پکڑ لیا نبی کریم ﷺ نے انہیں چھوڑ دیا یہ کامیابی مکہ کی وادی میں ہوئی تھی (1)۔ قتادہ نے کہا: ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ایک صحابی تھا جسے زنیم کہا جاتا وہ حدیبیہ کے ایک ٹیلہ پر چڑھا تو مشرکوں نے اسے تیر مارا اور اسے قتل کر دیا نبی کریم ﷺ نے ایک گھڑ سوار دستہ بھیجا تو وہ کفار کے بارہ شاہسوار پکڑ کر لے آئے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا: ''کیا تمہارے حق میں میرے اوپر کوئی عہد و پیان ہے (2)؟'' انہوں نے عرض کی: نہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابزی اور کلبی نے کہا: مراد اہل حدیبیہ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ مسلمانوں سے روک لیے یہاں تک کہ صلح ہوگئی سب نکل کھڑے ہوئے تھے اور مسلمانوں کا قصد کیا تھا اور مسلمانوں کے ہاتھوں کو بھی ان سے روک لیا تھا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت خالد بن ولید مشرکوں کے گھڑ سوار دستہ میں موجود تھے۔ قشیری نے کہا: یہ ایک روایت ہے، صحیح بات یہ ہے کہ وہ اس وقت نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔

حضرت سلمہ بن اکوع نے کہا: صلح کی بات چل رہی تھی کہ ابوسفیان آئے جبکہ وادی میں لوگوں اور اسلحہ کی ریل پیل تھی، کہا: میں چھ مشرکوں کو ہانکتا ہوا لایا جو مسلح تھے وہ اپنی ذاتوں کے لیے نفع اور نقصان کے کوئی مالک نہ تھے میں انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا حضرت عمر راستہ میں تھے انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ ہم جنگ جو لوگوں کے پاس آ رہے ہیں نہ ہمارے پاس کوئی اسلحہ ہے اور نہ ہی سواری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے راستہ میں سے ہی مدینہ کی طرف بھیجا تو صحیح یہ ہر قسم کا اسلحہ اور ہر قسم کے جانور لے آئے جو اس وقت مدینہ طیبہ میں موجود تھے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی گئی کہ عکرمہ بن ابی جہل پانچ سو سواروں کے ساتھ آپ کے مقابلہ کے لیے نکلا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید سے کہا: ''یہ تیرا چچا زاد ہے جو پانچ سو سواروں کے ساتھ آ رہا ہے'' حضرت خالد نے عرض کی: میں اللہ تعالیٰ کی تلوار ہوں اور رسول اللہ ﷺ کی تلوار ہوں۔ اسی دن سے انہیں سیف اللہ کا لقب دیا گیا ان کے ساتھ گھڑ سوار دستہ تھا انہوں نے کفار کو بھگا دیا اور مکہ کی دیواروں تک دھکیل دیا۔ یہ روایت زیادہ صحیح ہے ان کے درمیان لڑائی پتھروں کے ساتھ ہوئی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تیروں اور تیر کمانوں کے ساتھ لڑائی ہوئی تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: کف الید سے مراد معاہدہ میں یہ شرط تھی کہ کفار میں سے جو ہمارے پاس آئے گا تو وہ ان پر لوٹا دیا جائے گا۔ مکہ مکرمہ سے کچھ مسلمان نکلے انہیں خوف تھا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں مشرکوں کی طرف لوٹا دیں گے وہ ساحل سمندر پر اکٹھے ہو گئے ان میں حضرت ابو بصیر بھی تھے وہ کفار پر غارت گری مچاتے اور ان کے قافلے لوٹ لیتے یہاں

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 109 2۔ ایضاً، جز 26، صفحہ 110

تک کہ قریش کے سردار نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی: انہیں اپنے پاس بلا لیجئے تا کہ ہم امن میں ہو جائیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: بنو غطفان اور بنو اسد نے خیبر کے یہودیوں کا مسلمانوں سے دفاع کرنے کا ارادہ کیا کیونکہ وہ یہودیوں کے حلیف تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس چیز سے روک دیا یہی کف الید ہے۔

بِبَطْنِ مَكَّةَ اس میں دو قول ہیں: (1) مراد مکہ مکرمہ ہے (2) مراد حدیبیہ ہے، کیونکہ اس کا کچھ حصہ حرم کا حصہ ہے۔۔ ماوردی نے کہا: مِنۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ سے مراد فتح مکہ ہے۔ یہ آیت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ مکہ صلح کے ساتھ فتح ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ۔

میں کہتا ہوں: یہ آیت صلح حدیبیہ کے متعلق فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی جس طرح ہم نے صحابہ اور تابعین میں سے علماء سے روایت نقل کی ہے امام ترمذی نے روایت نقل کی ہے کہ عبد بن حمید، سلیمان بن حرب سے وہ حماد بن سلمہ سے وہ ثابت سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اسی افراد تنعیم پہاڑ سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ پر اترے جبکہ نماز صبح کا وقت تھا وہ ارادہ رکھتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کو شہید کر دیں انہیں پکڑ لیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (1)۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ جہاں تک فتح مکہ کا تعلق ہے جس پر اخبار دلالت کرتی ہیں کہ وہ زبردستی فتح ہوا اس بارے میں گفتگو سورۂ حجر میں اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہے۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَــــُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِـيْمًا ۝

"یہی وہ (بدنصیب) ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں بھی روک دیا گیا مسجد حرام میں (داخل ہونے) سے اور قربانی کے جانوروں کو بھی وہ بندھے رہیں اور اپنی جگہ تک نہ پہنچ سکیں، اور اگر نہ ہوتے (مکہ میں) چند مسلمان مرد اور چند مسلمان عورتیں جن کو تم نہیں جانتے (اور یہ اندیشہ نہ ہوتا) کہ تم روند ڈالو گے انہیں سو تمہیں پہنچے گی انکی طرف سے عار بے علمی کے باعث (نیز) تا کہ داخل کر دے اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے اگر (یہ کلمہ گو) الگ ہو جاتے تو (اس وقت) جنہوں نے کفر کیا ان میں سے تو ہم انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیتے"۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ فتح، جلد 2، صفحہ 159

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ ھُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مراد قریش ہیں جنہوں نے حدیبیہ کے سال تمہیں مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع کیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھا انہوں نے قربانی کے جانوروں کو روک دیا اور انہیں اپنی جگہ تک نہ پہنچنے دیا وہ اس کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے لیکن خودسری نے انہیں اس امر پر برانگیختہ کیا اور دور جاہلیت کی حمیت نے انہیں دعوت دی کہ وہ وہ کام کریں جس کا وہ بطور دین اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر پر انہیں شرمندہ کیا اور اس پر انہیں دھمکی دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انس فرمایا کہ اس امر کی وضاحت کی اور آپ سے وعدہ کیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا معکوف کا معنی محبوس ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی موقوف ہے۔ ابن علاء نے کہا: اس کا معنی مجموع ہے۔ جوہری نے کہا: عكفه أي حبسه ووقفه، يعكِفه ويعكُفه عَكْفًا۔ اسے قید رکھنا، روکے رکھنا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا یہ جملہ کہا جاتا ہے: ماعكفك عن كذا کس چیز نے تجھے اس چیز سے روکا؟ اسی معنی میں الاعتكاف في المسجد ہے، یعنی مسجد میں رکنا۔

اَنْ یَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ محل سے مراد قربان کرنے کی جگہ ہے: یہ فراء کا قول ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: مراد حرم ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: جس آدمی کو بیت اللہ کی زیارت سے روک دیا گیا ہو اس کی ہدی کا محل حرم ہے، محل کسی شے کی غایت کو کہتے ہیں جب محل ہو تو مراد وہ جگہ ہے جہاں لوگ جا کر پڑاؤ ڈالتے ہیں۔ ہدی کے جانور ستر اونٹ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان کے ساتھ اس جگہ کو ان کا محل بنا دیا۔ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے جس کی وضاحت سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ کے تحت گذر چکی ہے صحیح وہ ہے جو ہم نے ذکر کر دیا ہے۔

صحیح مسلم میں ابوزبیر سے مروی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ نے کہا کہ ہم نے حدیبیہ کے سال اونٹ سات افراد کی جانب سے اور گائے سات افراد کی جانب سے ذبح کی (2)۔ ان سے یہ روایت بھی مروی ہے کہ ہم حج اور عمرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے ہر سات افراد ایک اونٹ میں شریک ہوتے۔ ایک آدمی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا بدنہ میں اتنے لوگ شریک ہو سکتے ہیں جتنے جزور میں شریک ہو سکتے ہیں؟ فرمایا: وہ بدن ہی تو ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حدیبیہ میں موجود تھے کہا: ہم نے اس روز ستر اونٹ ذبح کیے تھے ہم آپس میں شریک ہوئے سات افراد ایک اونٹ میں ساتھی بنے۔

بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم عمرہ کے ارادہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے تو قریش کے کفار بیت اللہ شریف کی زیارت سے مانع بن گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کو ذبح کیا اور اپنے سر کا حلق کرایا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس روز جس صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلق کیا تھا وہ خراش بن امیہ بن ابی العیص خزاعی تھا۔ رسول

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 319

2۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جواز الاشتراك في الهدي واجزاء البدنة والبقرة، جلد 1، صفحہ 424

3۔ صحیح بخاری، ابواب العمرة، اذا احصر المعتمر، جلد 1، صفحہ 243

اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ قربانی دیں اور احرام اتار دیں، صحابہ نے توقف کے بعد یہ کام کیا جس وجہ سے رسول اللہ ﷺ ان سے ناراض ہوئے۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کی: اگر آپ جانور کو ذبح کریں تو وہ بھی ذبح کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا جانور ذبح کیا تو صحابہ نے بھی اپنے جانور ذبح کر دیئے، رسول اللہ ﷺ نے اپنے سر کا حلق کرایا اور حلق کرانے والوں کے حق میں تین دفعہ دعا کی اور قصر کرانے والوں کے حق میں ایک دفعہ دعا کی۔ حضور ﷺ نے کعب بن عجرہ کو دیکھا کہ جوئیں ان کے چہرے سے گر رہی تھیں فرمایا: ''کیا تجھے یہ جوئیں تکلیف دیتی ہیں(1)؟'' عرض کی: جی ہاں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے حلق کرانے کا حکم دیا جبکہ آپ ﷺ حدیبیہ میں تھے۔ اسے امام بخاری اور دارقطنی نے نقل کیا ہے، یہ روایت سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَالْهَدْيَ، الهدْی اور الهدِیّ دونوں لغتیں ہیں اسے حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدِيُّ مَحِلَّهٗ پڑھا گیا ہے یعنی تخفیف وتشدید دونوں طرح یہ لفظ استعمال ہوتا ہے اس کا واحد هدِيَّة ہے سورۂ بقرہ میں بھی یہ بحث گذر چکی ہے۔ اس کا عطف صَدُّوْكُمْ کی ضمیر مخاطب کم پر ہے مَعْكُوْفًا یہ حال ہے اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ میں ان کا محل حرف جار کے حذف کرنے کے ساتھ نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی صدوکم وصدوا الهدی عن ان يبلغ یہ جائز ہے کہ یہ مفعول لہ ہو، گویا یہ فرمایا: وصدوا الهدی کراهية ان يبلغ ابوعلی نے کہا: اس کا عکف پر حمل کرنا درست نہیں کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ عکف فعل متعدی میں آتا ہے آیت میں مَعْكُوْفًا آنا یہ اس امر کے جواز پر دال ہوگا کہ یہ معنی پر محمول ہو گویا جب یہ حبس (روکنا) ہے تو معنی کو اس پر محمول کیا جائے گا جس طرح رفث کو افضاء کے معنی پر محمول کیا جاتا ہے تو اسے الی کے ساتھ متعدی کیا جاتا ہے مگر اسے اس پر محمول کیا جائے تو اس کا محل نصب ہوگا۔ اگر سیبویہ کے قول پر قیاس کریں گے اور خلیل کے قول کے مطابق محل جر ہوگا یا مفعول ہوگا گویا کہا: اسے محبوس کیا گیا ہے یہ ناپسند کرتے ہوئے کہ وہ اپنے محل تک پہنچے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اَنْ میں جر کی تقدیر عن کے ساتھ ہو جو گذر چکا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی وصدوکم عن المسجد الحرام وصدوا الهدی عن أن يبلغ محله اس کی مثل وہ روایت ہے جو سیبویہ نے یونس سے بیان کی ہے مررت برجل إن زيد وإن عمرو۔ حرف جار کو مضمر کیا گیا ہے کیونکہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ مراد مکہ مکرمہ میں مومنوں میں سے کمزور لوگ ہیں جو کفار کے درمیان رہتے تھے، جس طرح حضرت سلمہ بن ہشام، حضرت عیاش بن ابی ربیعہ، حضرت ابوجندل بن سہیل اور ان کی مثل لوگ ہیں۔

لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ تم انہیں پہنچانتے نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم نہیں جانتے کہ وہ مومن ہیں۔ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ تم انہیں قتل کر کے اور ان پر ٹوٹ پڑنے کے ساتھ انہیں روند دو۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: وطئت القوم یعنی ان پر ٹوٹ پڑا۔ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ اس کے بارے میں جائز ہے کہ یہ رجال ونساء سے بدل کے طور پر مرفوع ہو گویا تقدیر کلام یہ ہوگی لولا وطئكم رجالا

1۔ صحیح بخاری، ابواب العمرة، قول اللہ تعالیٰ او صدقة وهی اطعام ستة مساكين، جلد 1 صفحہ 244

مؤمنین ونساء مومنات۔ یہ بھی جائز ہے کہ لَمْ تَعْلَمُوْهُمْ کی ضمیر غائب ھم سے بدل ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو تو تقدیر کلام یہ ہوگی لم تعلموھم وطاٴھم دونوں صورتوں میں یہ بدل اشتمال ہے لَمْ تَعْلَمُوْهُمْ یہ رجال اورنساء کی صفت ہوگی اور لولا کا جواب محذوف ہے ولو أن تطؤ رجالا مؤمنین ونساء مؤمنات لم تعلموھم لا ذن اللہ لکم فی دخول مکۃ ولسلطکم علیھم لیکن وہ لوگ جو اپنے ایمانوں کو مخفی رکھے ہوئے ہیں ہم نے ان کی حفاظت کی ہے۔

ضحاک نے کہا: اگر کفار کی پشتوں اوران کی عورتوں کے رحموں میں مومن مرد اور عورتیں نہ ہوتیں جنہیں تم نہیں جانتے کہ تم ان کے آباء کو روند ڈالو گے تو ان کے بیٹے بھی ہلاک ہو جائیں گے۔

مسئلہ نمبر2۔ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ معرۃ سے مراد عیب ہے یہ عر سے مفعلہ کا وزن ہے جس کا معنی جرب (خارش) ہے یعنی مشرک کہتے: انہوں نے اپنے دینی بھائیوں کو قتل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان کے قتل کی وجہ سے تمہیں وہ چیز پہنچتی جو اس وجہ سے تم کو لازم ہوتی ہے یعنی قتل خطا کا کفارہ(1)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دارالحرب میں مومن کے قاتل پر کفارہ لازم کیا ہے دیت لازم نہیں کی جب کہ اس نے ہجرت نہ کی ہو اور اس کے ایمان کا علم بھی نہ ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ (النساء:92) یہ کلبی، مقاتل اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ اس بارے میں گفتگو سورۃ النساء میں گذر چکی ہے۔ ابن زید نے کہا: معرۃ کا معنی گناہ ہے۔ جوہری اور ابن اسحاق نے کہا: معنی ہے دیت کی چٹی۔ قطرب نے کہا: سختی اور ایک قول یہ کیا گیا ہے: غم۔

مسئلہ نمبر3۔ بِغَيْرِ عِلْمٍ صحابہ کی فضیلت کا ذکر ہے اوران کی صفت کریمہ کی خبر دی جارہی ہے کہ وہ معصیت سے دور اور تعدی سے محفوظ رہتے ہیں یہاں تک کہ اگر وہ اس میں سے کوئی چیز پائیں تو بغیر ارادہ کے وہ چیز ان سے صادر ہوتی ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کی صفت بیان کی لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝ (النمل)

لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر1۔ لِيُدْخِلَ میں لام محذوف کے متعلق ہے معنی یہ بنے گا اگر تم انہیں قتل کرو گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ایمان کے متعلق ہو۔ مومنات کے علاوہ اسے صرف مومنین پر محمول نہیں کیا جائیگا اور نہ ہی مومنین کو چھوڑ کر اسے مومنات پر محمول کیا جائیگا کیونکہ سارے رحمت میں داخل ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں مشرکین سے قتال کی اجازت نہیں دی تاکہ اہل مکہ میں سے جن کے بارے میں مسلمان ہونے کا فیصلہ ہوا ہے وہ صلح کے بعد مسلمان ہو جائیں اور اسی طرح ان میں سے بے شمار لوگ مسلمان ہوئے اوران کا اسلام بہت اچھا ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہوئے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5 صفحہ 320

مسئلہ نمبر 2۔ لَوْ تَزَيَّلُوْا تزیلوا کا معنی تمیزوا ہے یعنی ایک دوسرے سے ممتاز ہو جائیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ جدا جدا ہو جاتیں؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر مومن کفار کی پشتوں سے جدا ہو جاتے تو کفار کو تلوار کے ساتھ عذاب دیا جاتا؛ یہ ضحاک کا قول ہے لیکن الله تعالیٰ مومنوں کی وجہ سے کفار کا دفاع کرتا ہے۔ حضرت علی شیر خدا بنٹھنہ نے کہا: میں نے اس آیت لَوْ تَزَيَّلُوْا کے بارے میں پوچھا، فرمایا: مراد وہ مشرک ہیں جو نبی الله کے اجداد (1) میں سے تھے جوان کے بعد ہوئے اور جوان کے زمانہ میں ہوئے جن کی پشتوں میں مومن تھے اگر مومن کفار کی پشتوں سے جدا ہو جاتے تو الله تعالیٰ کفار کو عذاب الیم دیتا۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ مومن حرمت کی وجہ سے کافر کے ساتھ رعایت کی جائیگی کیونکہ کافر کو اذیت مومن کو اذیت دینے کے ساتھ ہی ممکن ہے۔ ابوزید نے کہا: میں نے ابن قاسم سے کہا بتائیے کہ مشرکوں کی ایک جماعت اپنے قلعوں میں سے ایک قلعہ میں ہو مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کرلیا ہو مشرکوں کے پاس مسلمانوں کے کچھ قیدی ہوں کیا اس قلعہ کو جلا دیا جائیگا یا نہیں؟ کہا: میں نے امام مالک سے سنا آپ سے ان مشرکوں کے بارے میں پوچھا گیا تھا جو اپنی کشتیوں میں سوار ہیں کیا ہم ان پر آگ برسا سکتے ہیں جبکہ ان کشتیوں میں قیدی بھی ہیں؟ کہا: امام مالک نے فرمایا میں اسے جائز نہیں سمجھتا کیونکہ الله تعالیٰ کا اہل مکہ کے لیے فرمان ہے: لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا اسی طرح اگر کوئی کافر کسی مسلمان کو ڈھال بنالے تو اس کو تیر مارنا جائز نہیں اگر کسی نے ایسا کیا تیر مارا اور کسی مسلمان کو نقصان پہنچایا تو اس پر دیت اور کفارہ ہوگا اگر علم نہ ہو تو نہ دیت ہوگی اور نہ کفارہ ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انہیں علم ہو تو انہیں تیر مارنا جائز نہیں اگر وہ اس کے باوجود ایسا کریں تو وہ خطا قتل کرنے والے ہونگے اور دیت ان کی عاقلہ پر ہوگی اگر وہ نہ جانتے تو ان کو تیر مارنا جائز ہو جاتا جب فعل جائز ہو گیا تو یہ جائز نہیں کہ ان پر کسی قسم کا بوجھ ہو۔ ابن عربی نے کہا: ایک جماعت کا کہنا ہے اس کا معنی ہے اگر وہ عورتوں کی رحموں اور مردوں کی پشتوں سے جدا ہو جاتے (2)۔ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ جو پشت میں ہے یا پیٹ میں ہے اسے نہیں روندا جاتا اور اس کی وجہ سے کوئی قدغن نہیں لگائی جا سکتی جبکہ الله تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ اس کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا جو عورت کے بطن میں ہو اور مرد کی پشت میں ہو اس کا اطلاق حضرت ولید بن ولید، حضرت سلمہ بن ہشام، حضرت عیاش بن ربیعہ اور حضرت ابوجندل بن سہیل پر ہوتا ہے؛ امام مالک نے اسی طرح کہا ہے۔ ہم نے ایک رومی شہر کا محاصرہ کیا پانی ان سے روک لیا گیا وہ قیدیوں کو نیچے اتارتے جو ان کے لیے پانی لے جاتے تو انہیں تیر مارنے پر کوئی قدرت نہ رکھتا تو ہماری پسند کے بغیر پانی مل جاتا۔ امام ابوحنیفہ، ان کے اصحاب اور امام ثوری نے مشرکوں کے قلعوں پر پتھر پھینکنے کی اجازت دی اگرچہ ان میں مسلمان قیدی اور ان کے بچے ہوں اگر کوئی مشرک مسلمان کے بچے کو ڈھال بناتا ہے تو مشرک پر تیر برسایا جائیگا اگر کسی مسلمان کو وہ لگ جاتا ہے تو اس میں دیت اور کفارہ نہیں ہوگا۔ ثوری نے کہا: اس میں

1۔ علامہ آلوسی اور امام رازی وغیرہ نے رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد کو موحد ثابت کیا ہے۔

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1708

کفارہ ہوگا دیت نہ ہوگی۔ امام شافعی ہمارے قول کی موافقت کرتے ہیں کیونکہ ممنوع کے ہوتے ہوئے مباح چیز کا حصول جائز نہیں خصوصاً جب مسلمان کی زندگی کا سوال ہو۔ اس لیے قول وہی درست ہے جو امام مالک کا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

میں کہتا ہوں: ڈھال بنائے گئے فرد کو قتل کرنا جائز ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ان شاء اللہ۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب مصلحت ضروریہ کلیہ قطعیہ ہو۔ اس کے ضروری ہونے کا معنی یہ ہے کہ کفار تک تمام امت کا اس میں فائدہ ہو یہاں تک کہ اس ڈھال بنائے گئے فرد کو قتل نہ کیا جائے، کلیہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ تمام امت کا اس میں فائدہ ہو یہاں تک کہ ڈھال کو قتل کرنے میں تمام مسلمانوں کی مصلحت ہو اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو کفار اس ڈھال کو قتل کر دیں گے اور تمام امت پر غالب آ جائیں گے قطعیہ کا معنی یہ ہے کہ اس ڈھال کو قتل کرنے سے وہ مصلحت قطعی طور پر حاصل ہو جائیگی ہمارے علماء کا کہنا ہے: ان قیود کے ساتھ اس مصلحت کو بنیاد بنانے میں، اختلاف نہیں ہونا چاہیے کیونکہ فرض کیجئے کہ ڈھال بنایا گیا فرد قطعی طور پر قتل ہو جاتا ہے تو وہ دشمنوں کے ہاتھوں مارا جائے گا تو عظیم فساد ظاہر ہو جائے گا وہ دشمنوں کا مسلمانوں پر غلبہ ہے یا وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارا جائیگا تو دشمن ہوگا اور تمام مسلمان نجات پا جائیں گے۔

کسی دانشمند کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کہے: اس صورت میں کسی وجہ سے بھی ڈھال کو قتل نہ کیا جائیگا کیونکہ اس طریقہ کی ڈھال سے اسلام اور مسلمان سب برباد ہو جائیں گے لیکن جب یہ مصلحت فساد سے خالی نہیں تو وہ آدمی جو اس میں دقت نظر سے کام نہیں لیتا اس کا نفس اس سے نفرت کرتا ہے کیونکہ وہ فساد اس حاصل ہونے والے نفع کے مقابلہ میں معدوم ہے یا معدوم کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ عام قراءت لَوْ تَزَيَّلُوْا ہے مگر ابو حیوہ نے اسے لو تزایلوا پڑھا ہے معنی میں یہ بھی تزیلوا کی طرح ہے تزایل کا معنی جدا ہونا ہے تزیلوا یہ تفعلوا کا وزن ہے یہ زِلتُ سے مشتق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ تفعیلوا کا وزن ہے۔

لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ایک قول یہ کیا گیا ہے: لام یہاں سے یہ دو کلاموں کا جواب ہے: (1) لَوْلَا رِجَالٌ (2) لَوْ تَزَيَّلُوْا ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ لولا کا جواب محذوف ہے جبکہ وہ پہلے گذر چکا ہے اور لَوْ تَزَيَّلُوْا سے نئی کلام شروع ہو رہی ہے۔

إِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْۤا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾

”جب جگہ دی کفار نے اپنے دلوں میں ضد کو وہی (زمانہ) جاہلیت کی ضد تو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین کو اپنے رسول مکرم پر اور اہل ایمان پر اور انہیں استقامت بخش دی تقویٰ کے کلمہ پر اور وہ اس کے حقدار بھی تھے، اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے“۔

إِذْ میں عامل لَعَذَّبْنَا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی لعذبناھم اذ جعلوا ھذا یا یہ فعل مضمر ہے تقدیر کلام اذکروا ہے الْحَمِيَّةَ یہ

فعلیة کا وزن ہے جس کا معنی ضد ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: حَمِيت عن كذا حَمِيّة وَمَحْمِيَة۔ جب تو اس سے خوداری کا اظہار کرے اور تجھے شرمندگی لاحق ہو کہ تو اس امر کو کرے۔ اسی معنی میں متلمس کا قول ہے:

أَلَا إِنَّنِي مِنْهُم وعِرْضِي عِرْضُهُم كَذِي الأَنْفِ يحمي أَنْفَه أَنْ يُكْشَمَا

خبردار! میں ان میں سے ہوں اور میری عزت انکی عزت ہے جس طرح خوددار آدمی ہوتا ہے وہ اس امر سے حمیت کا اظہار کرتا ہے کہ اس کی ناک توڑ دی جائے۔

زہری نے کہا: ان کی حمیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار سے ضد کا اظہار کرنا (1) اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے ساتھ کلام شروع کرنے سے ضد کا اظہار تھا اور صحابہ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکنا تھا جو آدمی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے سے رک گیا تھا وہ سہیل بن عمرو تھا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

ابن بحر نے کہا: ان کی حمیت سے مراد ان کا اپنے معبودوں کے بارے میں عصبیت کا اظہار ہے (2) وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اور اس کے بارے میں ضد تھی کہ وہ کسی اور کی عبادت کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ یہ ہے کہ انہوں نے کہا: انہوں نے ہمارے بیٹوں اور ہمارے بھائیوں کو قتل کیا پھر وہ ہمارے گھروں میں داخل ہوتے ہیں لات وعزیٰ کی قسم! وہ اس شہر میں کبھی داخل نہیں ہو سکتے۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سکینہ سے مراد طمانیت اور وقار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں تسلیم و رضا کے اوپر پختہ کرنا ہے کفار کے دلوں میں جو ضد داخل کی وہ ان کے دلوں میں داخل نہیں کی۔

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى ایک قول یہ کیا گیا ہے: كَلِمَةَ التَّقْوٰى سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے ایک مرفوع حدیث ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے (3) یہی حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، عمرو بن میمون، مجاہد، قتادہ، عکرمہ، ضحاک، سلمہ بن کہیل، عبید بن عمیر، طلحہ بن مصرف، ربیع، سدی اور ابن زید کا قول ہے یہی قول عطا خراسانی کا ہے انہوں نے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اضافہ کیا۔

حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ واللہ اکبر ہے۔ عطا بن ابی رباح اور مجاہد نے یہ بھی کہا اس سے مراد لا إله إلا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير (4) ہے۔ زہری نے کہا: مراد بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہے یعنی مشرکوں نے اس کلمہ کا اقرار نہ کیا اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس کے لیے خاص کیا۔ كَلِمَةَ التَّقْوٰى سے مراد وہ کلمہ ہے جس کے ساتھ شرک سے بچا جاتا ہے۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: كَلِمَةَ التَّقْوٰى سے مراد اخلاص ہے (5) وَكَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا وہ کفار مکہ کی بنسبت اس کے زیادہ حقدار تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 320 2۔ ایضاً

3۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ فتح، جلد 2، صفحہ 159۔ ایضاً، حدیث نمبر 3558، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 122 5۔ تفسیر مجاہد، سورۂ فتح، صفحہ 259

اپنے دین اور اپنے نبی کی صحبت کے لیے انہیں پسند کرلیا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا حق کے ساتھ کہ تم ضرور داخل ہو گے مسجد حرام میں جب اللہ نے چاہا امن و امان سے منڈواتے ہوئے اپنے سروں کو یا ترشواتے ہوئے تمہیں کسی کا خوف نہ ہوگا، پس جو تم نہیں جانتے تو اس نے عطا فرما دی تمہیں اس سے پہلے ایسی فتح جو قریب ہے"۔

قتادہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ وہ مکہ مکرمہ میں اس حالت میں داخل ہوں گے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں قریش سے صلح کرلی تو منافقوں کو شک ہوا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ مکہ مکرمہ میں ضرور داخل ہونگے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ فرمایا کہ وہ اس سال کے علاوہ اور کسی سال میں مکہ مکرمہ داخل ہونگے اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب سچا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت ابوبکر صدیق نے ہی یہ بات کی تھی کہ خواب کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں ہوتا آپ ضرور اس میں داخل ہوں گے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ خواب حدیبیہ کے متعلق ہی تھا اور انبیاء کے خواب حق ہوتے ہیں اور خواب انبیاء کو وحی کرنے کی صورتوں میں سے ایک صورت ہوا کرتی ہے۔

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ یعنی آنے والے سال تم اس میں داخل ہو گے۔ ابن کیسان نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں جو کچھ کہا گیا یہ اس کی حکایت ہے۔ نیند میں آپ کو خطاب کیا گیا جس طرح معمول تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو خبر دی کہ اس نے یہ بات کی ہے اسی وجہ سے استثناء کی اللہ تعالیٰ نے جس طرح تعلیم دی اسی پر عمل کیا جب ارشاد فرمایا:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (الکہف)

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ایسے امر میں استثناء کی جو معلوم ہے تا کہ مخلوق اس چیز میں استثناء کرے جس کا وہ علم نہیں رکھتے؛ یہ حسین بن فضل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: استثناء اٰمِنِيْنَ سے ہے یہ کلام بندوں کے خطاب کی طرف لوٹے گی جس طرح معمول ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِنْ شَآءَ اللّٰهُ کا معنی ہے اگر اللہ تعالیٰ تمہیں داخل ہونے کا حکم دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اللہ تعالیٰ تجھے سہولت دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان شاء اللہ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ چاہے۔ ابو عبید نے کہا: ان یہ اذ کے معنی میں ہے (2) یعنی جب اللہ تعالیٰ چاہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (البقرۃ) یہ بھی اذ کنتم کے معنی میں ہے۔ یہ تعبیر حقیقت سے بعید ہے کیونکہ اذ زمانہ ماضی اور اذا زمانہ مستقبل میں فعل کو خاص کرنے کے لیے آتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد حرام میں داخل ہونے کا وعدہ کیا اور مشیت

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 345
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 189

کی شرط کے ساتھ اسے متعلق کر دیا یہ حدیبیہ کے سال ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو خبر دی تو صحابہ اس سے بہت خوش ہوئے پھر یہ اس سال سے مؤخر ہو گیا جس میں انہوں نے طمع کی تو اس نے انہیں دکھ دیا یہ معاملہ ان پر شدید ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے صلح کی اور واپس لوٹ گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آنے والے سال میں اجازت دی تو یہ آیت نازل فرمائی لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ خواب میں آپ کو کہا گیا تھا: لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ آپ کو خواب میں جو کچھ کہا گیا تھا قرآن حکیم میں اس کی حکایت بیان کی گئی ہے یہاں کوئی شک وغیرہ کا معاملہ نہیں جس طرح بعض لوگوں نے گمان کیا ہے کہ استثناء شک پر دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کو کوئی شک نہیں۔ لَتَدْخُلُنَّ یہ تو تحقیق ہے تو شک کیسے ہوگا ان، اذا کے معنی میں ہے اٰمِنِيْنَ یعنی دشمنوں سے امن میں ہونگے۔

مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ حلق اور قصر سب مردوں کے لیے ہے اسی وجہ سے مردوں کو عورتوں پر غلبہ دیا۔ حلق کرنا افضل ہے، عورتوں کے لیے صرف بال چھوٹے کرانے کا حکم ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گذر چکی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مروہ پر چوڑے پھل والے تیر سے کاٹے تھے۔ یہ عمرہ میں ہوا تھا حج میں نہیں ہوا تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں حلق کروایا تھا(1)۔

لَا تَخَافُوْنَ یہ محلقین اور مقصرین سے حال ہے تقدیر کلام یوں ہے غیر خائفین۔

فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا یعنی مکہ مکرمہ میں داخل ہونے میں تاخیر میں جو بھلائی اور بہتری ہے تم اسے نہیں جانتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جونہی آپ حدیبیہ سے واپس آئے تو خیبر کی طرف چل دیئے اور اسے فتح کر دیا آپ خیبر کے اموال کے ساتھ واپس لوٹے اس سال میں جو قوت اور سامان پہلے تھا اس سے کئی گنا حاصل کیا اور اس سے کئی گنا سامان اور قوت کے ساتھ مکہ کی فتح کے لیے گئے۔ کلبی نے کہا: یعنی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے(2) کہ ان کا مکہ مکرمہ میں داخلہ ایک سال تک ہوگا تم اسے نہیں جانتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ جانتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں مومن مرد اور مومن عورتیں ہیں جنہیں تم نہیں جانتے۔

فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب کے علاوہ کی فتح مقرر کر دی؛ یہ ابن زید اور ضحاک کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد فتح مکہ ہے۔ مجاہد نے کہا: مراد صلح حدیبیہ ہے؛ یہ اکثر مفسرین کا نقطہ نظر ہے۔ زہری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے دور اسلام میں جو فتوحات نصیب فرمائیں صلح حدیبیہ سے بڑھ کر ان میں سے کوئی فتح نہیں تھی کیونکہ جب لوگ ملتے ہیں تو باہم جنگ ہوتی ہے(3) جب صلح ہوئی تو جنگ ختم ہوگئی لوگ ایک دوسرے سے امن میں ہو گئے وہ آپس میں ملے گفتگو کی کوئی آدمی اسلام کے بارے میں گفتگو نہیں کرتا جبکہ وہ کچھ سمجھ بوجھ رکھتا ہو تو وہ اس میں داخل ہو جاتا ہے ان دو سالوں میں اسلام میں اتنے افراد داخل ہوئے جتنے اس سے پہلے شامل ہوئے تھے یا اس سے زیادہ داخل ہوئے تھے۔ اس امر پر یہ چیز بھی دلالت کرتی ہے حدیبیہ جو چھ ہجری کا سال ہے صحابہ کرام کی تعداد چودہ سو تھی حدیبیہ کے سال کے بعد آٹھ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1709 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 322 3۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 124

ہجری کو تعداد دس ہزار تھی۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝

''وہ اللہ ہی ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو کتاب ہدایت اور دین حق دے کر تا کہ غالب کر دے اسے تمام دینوں پر اور رسول کی صداقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے''۔

رَسُوْلَهٗ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ یعنی تمام ادیان پر غالب کر دے۔ دین کے معنی میں مصدر ہے اس میں واحد اور جمع دونوں برابر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اپنے رسول کو تمام دین پر غالب کر دے یعنی جو دین مشروع کیا ہے دلیل کے ساتھ اس پر غالب کر دے یعنی ہاتھ اور تلوار، باقی ماندہ کو منسوخ کر دیا۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ شهيدا تفسیر کے طور پر منصوب ہے باء زائدہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے لیے شہید کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی کے حق میں شہادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صحت کو معجزات کے ساتھ واضح کرتی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس چیز کے ساتھ آپ کو بھیجا اس پر گواہ ہے کیونکہ کفار نے اس امر کا انکار کیا کہ وہ یہ لکھیں یہ وہ چیز ہے جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ٻ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ڗ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝

''(جان عالم) محمد اللہ کے رسول ہیں اور (وہ سعادت مند) جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں آپس میں بڑے رحم دل ہیں تو دیکھتا ہے انہیں کبھی رکوع کرتے ہوئے کبھی سجدہ کرتے ہوئے طلب گار ہیں اللہ کے فضل اور رضا کے ان کے (ایمان وعبادت) کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہے، یہ ان کے اوصاف تورات میں مذکور ہیں نیز ان کی صفات انجیل میں بھی مرقوم ہیں (یہ صحابہ) ایک کھیت کی مانند ہیں جس نے نکالا اپنا پٹھا پھر تقویت دی اس کو پھر وہ مضبوط ہو گیا پھر سیدھا کھڑا ہو گیا تنے پر اس کا جوبن خوش کر رہا ہے بونے والوں کو تا کہ آتش غیظ میں جلتے رہیں انہیں دیکھ کر کفار، اللہ نے وعدہ فرمایا ہے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے مغفرت کا اور اجر عظیم کا''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ محمد مبتدا اور رسول اس کی خبر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لفظ محمد مبتدا ہے اور رسول اللہ اس کی صفت ہے وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ کا عطف مبتدا پر ہے اور اس کی خبر بعد میں ہے۔ اس تعبیر کی صورت میں رسول اللہ پر وقف نہیں ہوگا پہلی تعبیر کی صورت میں رسول اللہ پر وقف ہوگا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات آپ کے صحابہ کی صفات سے بڑھ کر ہیں پس لفظ محمد مبتدا رسول اللہ اس کی خبر ہوگی وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ دوسرا مبتدا اور شھداء اس کی خبر ہوگی۔ اور رحماء دوسری خبر ہوگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ میں ان صفات کا ہونا زیادہ مناسب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اہل حدیبیہ کفار پر شدید ترین تھے یعنی بہت زیادہ سخت تھے جس طرح شیر اپنے شکار پر سختی کرنے والا ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ سے مراد تمام مومن ہیں۔

رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ وہ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ باہم شفقت کرتے ہیں اور باہم محبت کرتے ہیں: حضرت حسن بصری نے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ کو حال ہونے کی حیثیت سے منصوب پڑھا ہے، گویا کہا: الذین معه فی حال شدتهم علی الکفار وتراحمهم بینهم یعنی حضور کے صحابہ کفار پر حالت شدت میں اور آپس میں رحم کرنے کی حالت میں ہیں۔

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا ان کے بارے میں یہ خبر دینا ہے کہ وہ بہت زیادہ نماز پڑھتے ہیں یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وہ اللہ تعالیٰ سے جنت اور رضا کے طلب گار ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ سیما سے مراد علامت ہے اس میں دو لغتیں ہیں یعنی مد اور قصر، یعنی ان پر رات کے وقت بیدار ہونے اور جاگنے کی علامات روشن ہیں۔ سنن ابن ماجہ میں ہے اسماعیل بن طلحی، ثابت بن موسیٰ ابو یزید سے وہ شریک سے وہ اعمش سے وہ ابو سفیان سے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من کثرت صلاته باللیل حسن وجهه بالنهار (1) جس کی رات کے وقت نماز زیادہ ہو جاتی ہے دن کے وقت اس کا چہرہ حسین ہو جاتا ہے۔

ابن عربی نے کہا: کچھ لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلط طریقہ سے حدیث کے معنی کو چھپانے کی کوشش کی اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز مروی نہیں (2)۔ ابن وہب نے امام مالک سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اس نشانی سے مراد وہ نشانی ہے جو زمین پر سجدہ کرنے کی وجہ سے پیشانی پر پڑ جاتی ہے؛ سعید بن جبیر نے بھی یہی کہا ہے۔

حدیث صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیس رمضان کی صبح کو نماز پڑھی جبکہ مسجد کا چھت بارش کی وجہ سے ٹپکا تھا وہ چھپر نما تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے جبکہ آپ کی پیشانی اور ناک کے بانسے پر پانی اور مٹی کا نشان تھا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد وہ سفیدی ہے جو قیامت کے روز چہرے پر ہوگی (3)؛ یہ قول سعید

1۔ سنن ابن ماجہ، اقامة الصلوٰة والسنة فیها، باب ما جاء فی قیام اللیل، صفحہ 95۔ ایضاً حدیث نمبر 1322، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1719 3۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 127

بن جبیر نے بھی کیا ہے اسے عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے؛ یہ زہری کا قول ہے۔ صحیح میں ہے حضرت ابو ہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے "جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ سے فارغ ہو جائے گا اور اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے گا کہ اسے جہنم سے نکالے تو وہ فرشتوں کو حکم دے گا جو آدمی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتا تھا اسے جہنم سے نکالو اللہ تعالیٰ جس پر رحم کرنے کا ارادہ کرے گا(1) وہ وہ ہوں گے جو یہ کہتے تھے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ فرشتے انہیں سجدہ کے نشان سے پہچان لیں گے، آگ انسان کو کھا جائے گی مگر سجدہ کا اثر باقی رہے گا اللہ تعالیٰ اسے آگ پر حرام کر دے گا کہ وہ آگ کا نشان کھا جائے"۔

شہر بن حوشب نے کہا: ان کے چہروں میں سے سجدوں کی جگہیں یوں ہوں گی جس طرح چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: یہ سیما دنیا میں ہو گی وہ اچھی تعریف ہے۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: مراد خشوع اور تواضع ہے۔ منصور نے کہا: میں نے مجاہد سے سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ کے بارے میں پوچھا کیا اس سے مراد وہ نشان ہے جو آنکھوں کے درمیان ہوتا ہے؟ فرمایا: نہیں بعض اوقات انسان کی آنکھوں کے درمیان بکری کے گھٹنے کی طرح چیز ہو جاتی ہے جبکہ اس کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد خشوع کی وجہ سے ان کے چہروں پر نور ہے۔ ابن جریج نے کہا: مراد وقار اور رونق ہے۔ شمر بن عطیہ نے کہا: مراد رات کی عبادت کی وجہ سے چہرے کی زردی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جب تو انہیں دیکھے گا جبکہ وہ مریض نہیں۔ ضحاک نے کہا: یہ ان کے چہروں میں زخم کا اثر نہیں بلکہ مراد زردی ہے۔ سفیان ثوری نے کہا: وہ رات کو نماز پڑھتے ہیں جب صبح کرتے ہیں تو اس کا اثر ان کے چہروں سے عیاں ہوتا ہے اس کی وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے: "جو رات کو زیادہ نماز پڑھتا ہے دن کے وقت اس کا چہرہ حسین ہو جاتا ہے(2)" اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ فراء نے کہا: اس کی دو وجوہ ہیں: اگر تو چاہے تو کہے: معنی ہے جس طرح ان کے اوصاف قرآن میں ہیں اسی طرح ان کے اوصاف تورات و انجیل میں ہیں تو وقف الْاِنْجِيْلِ پر ہو گا اگر تو چاہے تو کہے: کلام کا اختتام مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ پر ہے پھر تو نئے سرے سے کلام کو شروع کرے اور کہے: وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ اس صورت میں وقف التَّوْرٰىةِ پر ہو گا۔ مجاہد نے کہا: ھو مثل واحد(3) یعنی یہ تورات اور انجیل میں ان کی صفت ہے اس صورت میں التَّوْرٰىةِ پر وقف نہیں ہو گا۔ وقف الْاِنْجِيْلِ پر ہو گا اور پھر کلام نئے سرے سے شروع کرے گا۔ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ معنی ہو گا: وھم کزرع، شَطْــَٔهٗ سے مراد اولاد ہے؛ یہ ابن زید اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد ایک پودا ہے جب اس کے بعد کوئی چیز نکلے تو یہ اس کے لیے کہیں گے: فقد شطأہ۔ اخفش نے اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ کے بارے میں کہا: یعنی وہ اپنی طرف نکالتا ہے، ثعلبی نے اسے کسائی سے روایت نقل کیا ہے۔ فراء نے کہا: اشطأ الزرع فھو

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرد علی الجھمیۃ وغیرھم، جلد 2، صفحہ 1106
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوۃ والسنۃ فیھا، ماجاء فی قیام اللیل، صفحہ 95
3۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 259

مشطئ۔ جب وہ نکلے۔

شاعر نے کہا:

أخرج الشطأ على وجه الثرى　　ومن الأشجار أفنان الثمر

اس نے روئے زمین پر کونپل نکالی اور درختوں سے مختلف قسم کے پھل حاصل ہوتے ہیں۔

زجاج نے کہا: اَخْرَجَ شَطْئَہٗ یعنی اس نے نباتات کو نکالا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شَطْئَہٗ سے مراد بالی کا کانٹا ہے عرب اسے سنا بھی کہتے ہیں یہ بھی ہے (ایک جڑی بوٹی سبز ہو تو اس سے بھیڑ بکریوں کو شدید درد ہو جاتا ہے)؛ یہ قطرب کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد بالی ہے ایک دانہ سے دس، نو اور آٹھ بالیاں نکلتی ہیں؛ یہ فراء کا قول ہے۔ ماوردی نے اسے بیان کیا ہے۔ ابن کثیر اور ابن ذکوان نے شطأہ طاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے۔ حضرت انس، نصر بن عاصم اور ابن وثاب نے شطاہ پڑھا ہے جس طرح عصاہ ہوتا ہے۔ جحدری اور ابن ابی اسحاق نے ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے۔ یہ سب لغتیں ہیں۔

یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی بیان فرمائی ہے یعنی وہ تھوڑے ہونگے پھر زیادہ ہونگے اور پھر کثیر ہو جائیں گے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی دعوت کا آغاز کیا تو آپ کمزور تھے ایک کے بعد ایک نے دعوت کو قبول کیا یہاں تک کہ آپ کا معاملہ قوی ہو گیا جس طرح ایک دانہ ہوتا ہے پہلے وہ کمزور ظاہر ہوتا ہے پھر ایک حال کے بعد دوسرے حال میں قوی ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا پودا اور شاخیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔ یہ صحیح ترین اور قوی ترین مثال ہے۔ قتادہ نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی مثال انجیل میں لکھی ہوئی ہے کہ آپ ایک ایسی قوم سے ظاہر ہونگے جو کھیتی باڑی کریں گے نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے (1)۔

فَاٰزَرَہٗ اسے قوی کیا یا اس کی مدد کی اور اسے مضبوط کیا یعنی اس کونپل نے کھیتی کو مضبوط کیا۔ ایک قول اس کے برعکس ہے۔ یعنی کھیتی نے کونپل کو مضبوط کیا۔ عام قراءت فَاٰزَرَہٗ ہے یعنی مد کے ساتھ ہے۔ ابن ذکوان، ابو حیوہ اور حمید بن قیس نے فأزرہ قصر کی صورت میں پڑھا ہے جس طرح فَعَلَہ ہے معروف مد ہی ہے؛ امراء القیس نے کہا:

بِمَحْنِيَةٍ قد آزر الضال نَبْتُها　　مَجَرَّ جيوشٍ غانمين وخُيَّبِ (2)

محل استدلال قد آزر ہے۔

فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ سوق سے مراد عود (لکڑی) ہے جس پر وہ کھڑا ہوتا ہے پس وہی اس کے لیے پنڈلی ہے۔ سوق یہ ساق کی جمع ہے يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ یہ کھیتی کاشتکاروں کو خوش کرتی ہے۔ یہ ضرب المثل ہے جس طرح ہم نے بیان کیا ہے کھیتی سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور شطأ سے مراد صحابہ کرام ہیں وہ تھوڑے تھے پھر زیادہ ہو گئے، کمزور تھے قوی ہو گئے؛ یہ ضحاک اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ لام حرف جار محذوف کے متعلق ہے تقدیر کلام یہ ہو سکتی ہے فعل

1۔ الماوردی، جلد 5، صفحہ 191　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 142

انه هذا المحمد صلى الله عليه وسلم وأصحابه ليغيظ بهم الكفار۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ وعدہ کیا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے وہ مومن ہیں جن کے اعمال صالح ہیں مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ یعنی ایسا ثواب جو ختم نہ ہوگا وہ جنت ہے منهم میں من بعضیہ نہیں یعنی بعض صحابہ کو بعض سے خاص کرنے کے لیے نہیں بلکہ یہ عام ہے یعنی بیانیہ ہے جسطرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (الحج:30) اس میں تبعیض کا قصد نہیں کیا گیا بلکہ یہ جنس کو بیان کرنے لیے ہے یعنی اس ناپاکی سے بچو جو اوثان کی جنس سے ہے کیونکہ ناپاکی کئی اجناس سے واقع ہوسکتی ہے ان میں زنا، سود، شراب نوشی اور جھوٹ ہے من داخل کیا گیا ہے جو جنس کا فائدہ دیتا ہے اسی طرح منهم ہے یعنی اس جنس سے یعنی صحابہ کی جنس سے، جس طرح یہ کہا جاتا ہے: أنفق نفقتك مِنَ الدراهم یعنی اپنا خرچ اس جنس سے بنادے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو مغفرت کے وعدہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے مقصد ان کی فضیلت کو ظاہر کرنا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کے ساتھ مغفرت کا وعدہ کیا ہے۔

آیت میں ایک اور جواب بھی ہے وہ یہ ہے کہ مِنْ کلام کی تاکید کے لیے ہے معنی ہے اللہ تعالیٰ نے تمام کے ساتھ مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے یہ بھی عربی کے قول کے قائم مقام ہے قطعت من الثوب قميصامراد ہے تمام کپڑے کو قمیص بنادیا۔ من یہاں بعضیت کو ثابت کرنے کے لیے ہے قرآن میں سے اس کا شاہد وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ (الاسراء:82) ہے۔

اس کا معنی ہم قرآن کو شفا دینے کے لیے نازل کرتے ہیں اس کا ہر حرف شفا دیتا ہے شفاء اس میں سے بعض کے ساتھ خاص نہیں۔ لغویوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو من کو جنسیہ کہتے ہیں تقدیر کلام یہ ہوگی منزل الشفاء من جنس القرآن ومن جهة القرآن ومن ناحية القرآن زہیر نے کہا:

أمن أم أوفى دِمْنَةٌ لم تَكَلَّمَ کیا توام اوفی دمنہ سے بات نہیں کرے گا۔ یہاں بھی من جنسیہ ہے ایک اور شاعر نے کہا:

أخو رَغائبَ يعطيها ويسألها　　يأبى الظُّلامة منه النَّوْفَلُ الزُّفَرُ

اس شعر میں بھی من کسی چیز کی تقسیم کو بیان نہیں کرتا کیونکہ مقصود يابى الظلامة ہے کیونکہ وہ نوفل زفر ہے۔ نوفل سے مراد کثیر عطیہ ہے، زفر سے مراد لوگوں کی جانب سے بوجھ اور مشقت اٹھانے والا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ ابو عروہ زبیری حضرت زبیر کے بیٹے سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ہم امام مالک بن انس کے پاس بیٹھے تھے لوگوں نے ایک آدمی کا ذکر کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی شان میں تنقیص کیا کرتا تھا امام مالک نے اس آیت کو پڑھا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ٘ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۖۚ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ امام مالک نے کہا: لوگوں میں سے جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی ایک کے بارے میں بغض ہو تو وہ اس آیت کا مصداق ہوگا (1)؛ خطیب

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 193

ابو بکر نے اس کا ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: امام مالک نے بہت اچھی بات کی اور درست تاویل بیان کی ہے جس آدمی نے ان صحابہ میں سے کسی ایک کی شان میں تنقیص کی یا اپنی روایت میں کسی ایک پر بھی طعن کیا تو اس نے اللہ رب العالمین کا رد کیا اور مسلمانوں کے شرعی احکام کو باطل کیا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۗ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ اس کے علاوہ دوسری آیات ہیں جو ان کی تعریف کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہیں اور ان کے صدق اور فلاح کی شہادت کو ضمن میں لیے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (الاحزاب: 23) ارشاد باری تعالیٰ ہے: لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ (الحشر) ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ۫ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الحشر)۔ یہ سب کچھ اس لیے ارشاد فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے حال اور مال کو جانتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خیرُ النّاس قرنی ثم الذّین یلونهم(1) لوگوں میں سے اچھے میرے زمانہ کے لوگ ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا تسبّوا أصحابی فلو أن أحدکم أنفق مثل أحدٍ ذهبا لم یدرك مُدّ أحدهم ولا نصیفه(2) تم میرے صحابہ کو گالیاں نہ دینا اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ صحابہ کے صدقہ کے ایک مد (ایک پیمانہ) اور اس کے نصف مد تک نہیں پہنچتا۔ دونوں حدیثوں کو امام بخاری نے نقل کیا ہے۔ ایک اور حدیث میں فلو أن أحدکم أنفق ما فی الأرض لم یدرك مُدّ أحدهم ولا نصیفه ہے۔ اگر تم میں سے کوئی زمین میں جو کچھ ہے اس کے برابر خرچ کرے تو وہ ان کے صدقہ کے ایک مد اور نصف مد تک بھی نہیں پہنچتا۔

ابو عبید نے کہا: اس کا معنی ان کے ایک مد تک نہیں پہنچتا اور نہ ہی ان کے نصف مد تک پہنچتا ہے۔ نصیف سے یہاں نصف مراد ہے اسی طرح عشر کو عشیر، خمس کو خمیس، تسع کو تسیع، ثمن کو ثمین، سدس کو سدیس، ربع کو ربیع کہتے ہیں، عرب ثلث کو ثلیث نہیں کہتے۔

مسند بزار میں حضرت جابر سے ایک صحیح مرفوع حدیث مروی ہے: إنّ اللہ إختار أصحابی علی العالمین سوی النبیین والمرسلین واختار لی من أصحابی أربعة یعنی أبابکر وعمرو عثمان وعلیا فجعلهم أصحابی(3)۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور مرسلین کے علاوہ میرے صحابہ کو چن لیا ہے اور میرے صحابہ میں سے میرے لیے چار کو چنا ہے یعنی حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم۔ فرمایا: فی اصحابی کلهم خیر میرے تمام صحابہ میں بھلائی ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 515

2۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم سدوا الابواب الا باب ابی بکر، جلد 1، صفحہ 518

3۔ کنز العمال، جلد 13، حدیث نمبر 36708

عویم بن ساعدہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے چنا، میرے لیے میرے صحابہ کو منتخب کیا ان میں سے میرے لیے وزراء، داماد اور سسرال بنائے، جو ان کو گالیوں دے تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ ان سے توبہ قبول کرے گا اور نہ ہی فدیہ قبول کرے گا'' (1)۔

اس معنی میں احادیث بہت زیادہ ہیں، ان صحابہ میں سے کسی کے بارے میں نازیبا بات کرنے سے بچو جس طرح ان لوگوں نے کیا جنہوں نے دین میں طعن کیا انہوں نے یہ بھی کہا کہ معوذتین ''سورۂ فلق اور سورۂ ناس'' قرآن میں سے نہیں ان دونوں سورتوں کے قرآن حکیم میں سے ہونے کے بارے میں جتنی بھی روایات ہیں ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں مگر عقبہ بن عامر کی ایک روایت ہے اور عقبہ بن عامر ضعیف (2) ہے کسی اور نے اس مسئلہ میں ان کی موافقت نہیں کی پس اس کی روایت چھوڑ دی جائیگی کتاب وسنت میں سے جس کا ہم نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے یہ اس قول کا رد ہے اور دین کی جو باتیں صحابہ نے نقل کی ہیں اس کا ابطال ہے کیونکہ حضرت عقبہ بن عامر ان لوگوں میں سے ہیں جن سے ہمارے لیے شرعی احکام نقل کیے گئے ہیں ان سے مروی روایات بخاری، مسلم اور دوسری احادیث میں ہیں یہ بھی ان میں سے ہوئی جن کی اللہ تعالیٰ نے مدح بیان کی ان کی صفت کا ذکر کیا ان کی تعریف کی ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم کا ذکر کیا۔ جو آدمی آپ کی یا صحابہ میں سے کسی ایک کی جھوٹ کی طرف نسبت کرے تو وہ شریعت سے خارج ہے، قرآن کا ابطال کرنے والا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرنے والا ہے ان میں سے۔ کسی ایک کی یہ نسبت کرنا کہ اس نے جھوٹ بولا ہے تو اس کو گالی دی گئی تو اللہ تعالیٰ کے انکار کے بعد جھوٹ سے بڑھ کر کوئی عار اور عیب نہیں جس نے صحابہ کو گالیاں دیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت کی ان میں سے بہت سے جھوٹے مرتبہ والے کو جھٹلانا (جبکہ ان میں سے کوئی بھی جھوٹا نہیں) اللہ تعالیٰ کی لعنت میں داخل ہے جس کی شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور ہر اس فرد پر اس کو لازم کیا ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی کو گالی دی یا اس پر طعن کیا۔

عمر بن حبیب سے مروی ہے کہ میں ہارون رشید کی مجلس میں تھا کہ ایک بحث چھڑ گئی جس میں حاضرین نے جھگڑا کیا اور ان کی آوازیں بلند ہو گئیں ان میں سے ایک نے اس حدیث سے استدلال کیا جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے ان میں سے بعض نے ایک حدیث کو مرفوع ذکر کیا باہم نزاع اور جھگڑا بڑھ گیا یہاں تک کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا: اس حدیث کو قبول نہیں کیا جائیگا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو مروی روایات ہیں ان میں ان پر تہمت لگائی جاتی ہے اور انہوں نے آپ کے جھوٹ کی تصریح کی۔ میں نے ہارون رشید کو دیکھا کہ اس نے ان کی طرف داری کی اور ان کے قول کی مدد کی، میں نے کہا: حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت نقل کرنے میں صحیح ہیں اور جو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے لوگوں سے روایت کرتے ہیں اس میں صحیح ہیں۔ رشید نے مجھے

1۔ کنز العمال، جلد 11، حدیث نمبر 32466

2۔ اس امر کو واضح کرنا مقصود ہے کہ جو لوگ صحابہ پر طعن کرتے ہیں وہی لوگ معوذتین کے قرآن کا جز ہونے کا انکار کرتے ہیں اور وہی لوگ حضرت عقبہ بن عامر کو ضعیف قرار دیتے ہیں جبکہ حضرت عقبہ بن عامر سے بے شمار روایات مروی ہیں۔ مترجم۔

غضبناک نظروں سے دیکھا میں مجلس سے اٹھا اور اپنے گھر چلا آیا کچھ وقت نہ گذرا تھا کہ ڈاکیا دروازے پر آیا وہ داخل ہوا اور مجھے کہا: مقتول کی حیثیت سے امیر المومنین کے حکم کی تعمیل کرو خوشبو اور کفن کا انتظام کر لیجئے۔ میں نے کہا: اے میرے الله! تو جانتا ہے میں نے تیرے نبی کے صحابی کا دفاع کیا ہے اور اس بارے میں تیرے نبی کی تعظیم کی ہے کہ آپ کے صحابہ پر طعن کیا جائے، مجھے اس کے شر سے محفوظ رکھ۔ میں ہارون رشید کے پاس گیا وہ سونے سے بنی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اس نے اپنی آستینیں چڑھائی ہوئی تھیں اس کے ہاتھ میں تلوار تھی اور اس کے سامنے چمڑے کی چٹائی پڑی ہوئی تھی جب اس نے مجھے دیکھا تو اس نے مجھے کہا: اے عمر بن حبیب! میری بات کا ایسا جواب مجھے کسی نے نہیں دیا جیسا جواب تو نے مجھے دیا ہے۔ میں نے کہا: اے امیر المؤمنین! جو کچھ آپ نے کہا اور جو جھگڑا کیا اس میں رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا پہلو نکلتا ہے اور جو پیغام حق آپ لائے ہیں اس کی توہین کا پہلو نکلتا ہے جب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جھوٹے ہیں تو شریعت باطل ہے روزوں، نماز، طلاق، نکاح اور حدود میں تمام احکام مردود غیر مقبول ہوں گے۔ اس نے اپنی طرف توجہ کی پھر کہا: اے عمر بن حبیب! تو نے مجھے نئی زندگی دی الله تعالیٰ تجھے زندگی عطا کرے اور مجھے دس ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔

میں کہتا ہوں: صحابہ سب کے سب عادل ہیں الله تعالیٰ کے اولیاء اور اصفیاء ہیں انبیاء کرام اور رسل کے بعد وہ اس کی بہترین مخلوق ہیں؛ یہ اہل سنت کا مذہب ہے۔ اس امت کے ائمہ کی جماعت کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ ایک چھوٹے سے گروہ کی رائے یہ ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں کہ صحابہ کا حال دوسروں کے حال کی طرح ہے اس وجہ سے ان کی عدالت کے بارے میں بحث ضروری ہے ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو انکے احوال کے درمیان بداءۃ امر کے حوالے سے فرق کرتے ہیں کہا: پہلے پہل وہ عادل تھے پھر ان کے احوال بدل گئے ان میں جنگیں اور خون خرابہ ہوا اس لیے بحث ضروری ہے۔ ان کا یہ قول مردود ہے کیونکہ صحابہ کرام میں سے بہترین اور جلیل القدر ہستیاں جیسے حضرت علی شیر خدا، حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم جو ان ہستیوں میں سے ہیں جن کی الله تعالیٰ نے تعریف کی، ان کا تذکرہ کیا۔ الله تعالیٰ ان سے راضی ہوا انہیں راضی کیا اور اس ارشاد کے ساتھ ان کے ساتھ جنت کا وعدہ کیا: مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا خصوصاً دس عشرہ مبشرہ جن کی جنت کی بشارت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے دی وہ سردار ہیں جبکہ ان کے بارے میں کثیر آزمائشیں اور امتحانات آتے رہے یہ سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوا جس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دے گئے تھے ایسے امور ان کے مرتبہ اور فضیلت کو ساقط کرنے والے نہیں کیونکہ یہ امور اجتہاد پر مبنی ہیں ہر مجتہد ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ سورۂ حجرات میں اس موضوع پر گفتگو ہوگی انشاء الله۔